5273CH02

باب 2

ہندوستانی سماج کی آبادیاتی ساخت

(The Demographic Structure of the Indian Society)

© NCERT not to be republished

آبادیات، آبادی کا منظّم مطالعہ ہے۔ یہ یونانی اصل کی اصطلاح ہے اور دو الفاظ demos (لوگ) اور 'graphein' (بیان کرنا) سے مل کر بنی ہے، ان سے لوگوں کے بارے میں بیان کی دلالت ہوتی ہے۔ آبادیات میں آبادی سے متعلق رجحانات اور عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس میں آبادی کے حجم میں تبدیلیاں، پیدائش، اموات اور نقل مکانی کی وضع اور آبادی کی شناخت اور ترکیب جیسے عورتوں، مردوں اور مختلف عمر کے گروپوں کا نسبتی تناسب شامل ہے۔ آبادیات کی کئی قسم ہے جس میں رسمی آبادیات جو بڑی حد تک مقداری میدان ہے اور سماجی آبادیات جو آبادی کے سماج، معاشی یا سیاسی پہلو پر مرکوز ہے، شامل ہے۔ سبھی آبادیاتی مطالعات مردم شماری (جس میں کسی مخصوص خطے میں رہنے والے لوگوں کے اعداد و شمار کو منظّم طور پر جمع کرنا شامل ہے) جیسے شمار (سروے) کے عمل پر مبنی ہیں۔

آبادیات وہ میدان ہے جس کی سماجیات میں خاص اہمیت ہے۔ درحقیقت سماجیات کے ظہور میں اور ایک علمی مضمون کی حیثیت سے اسے مستقل صورت اختیار کرنے میں آبادیات کی کافی اہمیت رہی ہے۔ اٹھارھویں صدی کے دوسرے نصف کے دوران یوروپ میں دو مختلف عمل تقریباً ساتھ ساتھ واقع ہوئے۔ ایک تو سیاسی تنظیم کی خاص شکل کے طور پر دوسرے قومی ریاستوں کی تشکیل اور شماریات کی جدید سائنس کی شروعات۔ جدید ریاست نے اپنے کردار و عمل میں توسیع کی شروعات کی۔ مثال کے لیے اس کے ذریعے عوامی صحت کا انتظام، پولیس، نظم وضبط قائم کرنے، زراعت اور صنعت، ٹیکس کاری اور محاصل سے متعلق معاشی پالیسی اور شہروں کے انتظامیہ ابتدائی شکلوں کے فروغ میں زبردست دلچسپی لینے کی شروعات ہوئی۔

ریاست کو اس نئے اور مستقل طور پر وسعت پزیر دائرۂ عمل کے لیے سماجی شماریات یا آبادی اور معیشت کے مختلف پہلوؤں پر مقداری اعداد کو منظّم اور باقاعدہ طور پر جمع کرنے کی سرگرمی کی ضرورت تھی۔ ریاست کے ذریعے سماجی شماریات کے جمع کرنے کا رواج اپنے آپ میں بہت پرانا ہے لیکن اٹھارھویں صدی کے آخر تک اس نے جدید شکل حاصل کر لی۔ 1790 میں امریکا کے ذریعے کی گئی مردم شماری شاید پہلی جدید مردم شماری تھی اور یہ عمل جلد ہی 1800 کی ابتدا میں یوروپ میں شروع ہو چکا تھا۔ ہندوستان میں مردم شماری کی شروعات 72-1867 کے درمیان برطانوی ہندوستانی حکومت کے زیر اہتمام کی گئی تھی اور 1881 سے باقاعدہ دس سالوں پر (دہ سالہ) اس کا اہتمام کیا جانے لگا۔ آزاد ہندوستان میں عمل جاری رہا اور چھ دہ سالہ مردم شماریوں کا اہتمام 1951 سے ابھی حال تک 2011 میں کیا جا چکا ہے۔ ہندوستان میں ہونے والی مردم شماری دنیا کی ایسی سب سے بڑی مردم شماری ہے (کیوں کہ چین میں اس سے تھوڑی زیادہ آبادی ہے لیکن وہ باقاعدہ بنیاد پر مردم شماری انجام نہیں دیتا۔)

منصوبہ بندی اور ریاست کی پالیسیوں کے نفاذ کے لیے آبادیاتی اعداد و شمار اہم ہیں، خاص طور پر معاشی ترقی اور فلاح عامہ کے لیے۔ لیکن جب ان کی پہلی بار ابتدا ہوئی تو سماجیات کے ایک نئے مضمون کے لیے سماجی شماریات کا ایک مضبوط جواز بھی فراہم ہوا۔ مجموعۂ شماریات یا عددی خصوصیات، جو لاکھوں کروڑوں لوگوں پر مشتمل ایک بڑی اجتماعیت سے منسوب ہے سماجی مظہر کے ظہور کے لیے ٹھوس اور مضبوط دلیل پیش کرتی ہے۔ اگرچہ ملکی یا ریاستی سطح کی شماریات جیسے فی 1,000 آبادی پر اموات کی تعداد یا شرح اموات، انفرادی اموات کو جمع کرنے کے ذریعے دریافت کی جاتی ہے۔ شرحِ اموار بذات خود ایک سماجی مظہر ہے اور سماجی سطح پر اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ ایمائل درکھیم (Emile Durkheim) کے مشہور مطالعہ جس میں مختلف ملکوں کی

© NCERT not to be republished

شرحِ خودکشی میں تنوع کے بارے میں توضیح کی گئی ہے، اس کی ایک اچھی مثال ہے۔ درکھیم نے دلیل دی ہے کہ شرح خودکشی (یعنی فی 10,000 آبادی پر خودکشی کی تعداد) کی سماجی اسباب کے ذریعے وضاحت کی جاسکتی ہے۔ اگرچہ خودکشی کی ہر مخصوص مثال میں اس فرد یا اس کے حالات کی خصوصی وجوہات شامل ہوسکتی ہیں۔

کبھی کبھی رسمی آبادیات اور آبادی کے مطالعات کے وسیع تر میدان کے درمیان ایک امتیاز ہوتا ہے۔ رسمی آبادیات بنیادی طور پر تبدیلیِ آبادی کے اجزا کی پیائش اور تجزیے کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔ یہ مقداری تجزیے پر مرکوز ہوتی ہے جس کے لیے اس میں نہایت ترقی یافتہ ریاضیاتی طریقۂ کار شامل کیا جاتا ہے جو آبادی کی افزائش اور آبادی کی ترکیب کے بارے میں پیشین گوئی کے لیے موزوں ہوتا ہے۔ جب کہ دوسری طرف مطالعات آبادی یا سماجی آبادیات میں آبادی کی ساختوں اور تبدیلی کے وسیع اسباب کے بارے میں دریافت کیا جاتا ہے۔ ماہرینِ آبادیات یہ مانتے ہیں کہ سماجی عمل کاریاں اور شناختیں آبادیاتی عمل کو اسی طرح منضبط کرتی ہیں۔ جس طرح ماہرین سماجیات آبادی کے رجحانات کے لیے ذمہ دار اسباب کا پتہ لگانے کی جستجو کرتے ہیں۔

2.1 آبادیات میں بعض نظریات اور تصورات

آبادی میں افزائش کا مالتھوسین (Malthusian) نظریہ

آبادیات کے انتہائی مشہور نظریات میں سے ایک کا تعلق ایک انگریز سیاسی معاشیات داں تھامس رابرٹ مالتھس (1766 تا 1834) سے ہے۔ آبادی کی افزائش کے مالتھس نظریے کا خاکہ ان کے "Eassy on Population" (1798) میں پیش کیا گیا ہے جو کسی حد تک قنوطی (Pessimistic) تھا۔ اس نے دلیل دی کہ انسانی آبادیوں کی افزائش کا میلان انسان کے گزربسر کے ذرائع (خاص طور پر غذا، لیکن کپڑا اور زراعت پر مبنی دیگر اشیا بھی) کی شرح کی نسبت زیادہ تیز شرح پر ہوتا ہے۔ لہٰذا انسان ہمیشہ غربت میں رہنے پر مجبور ہوتا ہے کیوں کہ زرعی پیداوار کی افزائش پر ہمیشہ آبادی کی افزائش حاوی ہوجاتی ہے۔ جہاں آبادی اقلیدسی (جیومٹری) انداز میں بڑھتی ہے یعنی ہر اگلا عدد اسی نسبت سے بڑھتا ہے جس نسبت سے پچھلا عدد بڑھتا ہے (جیسے 32,16,8,4,2 وغیرہ) وہیں زرعی پیداوار توالی ہندسے یعنی ایک ہی مقدار سے بڑھتی ہے (جیسے 10,8,6,4 وغیرہ) چوں کہ آبادی کی افزائش ہمیشہ گزربسر کے وسائل کے پیداوار میں اضافے کو پیچھے چھوڑ دیتی ہے اس لیے خوش حالی بڑھانے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ آبادی میں اضافے کو قابو میں کیا جائے۔ بدقسمتی سے نوع انسانی کے پاس اپنی آبادی کے اضافے کو رضا کارانہ طور پر کم کرنے کی صرف محدود اہلیت ہے (احتیاطی رکاوٹوں کے ذریعے جیسے شادی کو ملتوی کرنا یا جنسی عمل سے احتراز یا تجرد (یا برہمچریہ)۔ لہٰذا مالتھس مانتا ہے کہ آبادی میں اضافے میں مثبت رکاوٹیں، قحط سالی اور بیماریوں کی شکل میں ناگزیر تھیں کیوں کہ یہ غذا کی فراہمی اور بڑھتی آبادی کے درمیان عدم توازن سے نمٹنے کا قدرتی طریقہ تھیں۔

مالتھس کا نظریہ کافی عرصے تک اثر پزیر رہا۔ لیکن بہت سے نظریہ سازوں کے ذریعے اسے چیلنج ملا جنھوں نے دعویٰ کیا کہ معاشی نمو، آبادی کے اضافے کو پیچھے کرسکتی ہے۔

© NCERT not to be republished

باکس 2.1

''آبادی کی قوت انسان کے لیے گزر بسر پیدا کرنے کی زمین کی طاقت سے کہیں بڑھ کر ہے، یہ کہ بے وقت اموات کا سامنا کسی نہ کسی شکل میں نوع انسان کو کرنا ہوتا ہے۔ نوع انسانی کی بدی سرگرم عمل ہے اور تخفیف آبادی کا عمل انجام دینے کی پوری طرح اہل ہے۔ یہ تخریب کی یا تباہی کی عظیم فوج میں نقیب کے طور پر ہے اور اکثر اس ناگوار عمل کو خود ہی پورا کرتی ہیں۔ لیکن کیا انھیں اس قلع قمع اور بربادی کی جنگ میں ناکام ہونا چاہیے۔ بیماری کے موسم، وبائی امراض، مرض طاعون، مہلک وبا خطرناک طور پر صف آرا اور ان کے ہزاروں لاکھوں کے خاتمے کے لیے تیار ہیں۔ کیا کامیابی اب بھی ادھوری ہوگی، زبردست ناگزیر قحط سالی دبے پاؤں شکار کی تلاش میں ہے اور وہ ایک زبردست قوت دنیا کی غذا کے ساتھ آبادی کی سطح کو اڑا دے گی''۔

تھامس رابرٹ مالتھس، آبادی کے اصول پر ایک مضمون، 1798

تھامس رابرٹ مالتھس
(1766-1834)

مالتھس نے کیمبرج میں اور ایک عیسائی پادری ہونے کے لیے تربیت حاصل کی۔ بعد میں وہ لندن کے قریب ہیلی بیری میں ایسٹ انڈیا کمپنی کالج میں تاریخ اور سیاسی معاشیات کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ یہ انڈین سول سروس میں بھرتی کیے جانے والے افسروں کا ٹریننگ مرکز تھا۔

تاہم اس کے نظریے کی نہایت موثر تردید یوروپی ممالک کے تاریخی تجربے سے ہوئی۔ آبادی میں اضافے کا انداز انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں تبدیل ہونا شروع ہوا اور بیسویں صدی کی پہلی ربع کے آخر تک یہ تبدیلیاں کافی ڈرامائی ہوگئیں شرح پیدائش گر گئی اور وبائی امراض پر بھی قابو کیا جانے لگا۔ مالتھس کی پیشن گوئی غلط ثابت ہوئی کیوں کہ غذائی پیداوار اور معیارِ زندگی میں آبادی میں بہتری تیز اضافے کے باوجود جاری رہی۔

مالتھس پر لبرل اور مارکسی دانشوروں نے بھی اس بات کے دعوے کے لیے تنقید کی کہ غربت آبادی میں اضافے کے سبب بڑھتی ہے۔ تنقید کرنے والوں نے دلیل دی کہ غربت اور فاقہ کشی جیسے مسائل کی وجہ آبادی میں اضافے کے سبب نہیں بلکہ معاشی وسائل کی غیر مساوی تقسیم ہے۔ ایک غیر منصفانہ سماجی نظام میں ایک دولت مند اور مراعات یافتہ اقلیت تعیش میں رہتی ہے جب کہ لوگوں کی ایک بڑی اکثریت غربت میں رہنے پر مجبور ہوتی ہے۔

آبادیاتی عبور کا نظریہ (The Theory of Demographic Transition)

آبادیات میں ایک اور اہم نظریہ آبادیاتی عبور کا نظریہ ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آبادی میں اضافہ معاشی ترقی کی مجموعی سطح سے جڑا ہوا ہے اور ہر سماج آبادی میں اضافے سے متعلق ترقی کی مثالی وضع کی پیروی کرتا ہے۔ آبادی میں اضافے کی تین بنیادی سطحیں ہیں۔ پہلا مرحلہ سماج میں آبادی میں کم اضافے کا ہے اور یہ سماج کم ترقی یافتہ اور تکنیکی طور پر پس ماندہ ہے۔ شرح اضافہ کم اس لیے ہے کہ شرحِ اموات اور شرح پیدائش دونوں اونچے ہیں۔ اس طرح دونوں کے درمیان فرق (خالص شرح اضافہ) کم ہوتا ہے۔ تیسرا (اور آخری) مرحلہ بھی ترقی یافتہ سماج میں کم افزائش کا ہے جہاں شرحِ اموات اور شرح پیدائش نمایاں طور پر کم ہوگئی ہے اور ان کے درمیان فرق بھی کم ہوتا ہے۔ ان دونوں مراحل پس ماندہ سے ترقی یافتہ مرحلے تک کے درمیان عبور نقل ہے اور اس مرحلے کی خصوصیات آبادی کی افزائش میں بہت اونچی شرح کا ہونا ہے۔

© NCERT not to be republished

سرگرمی 2.1

پچھلے صفحے کے سیکشن اور باکس 2.1 میں مالتھس کے قول کو پڑھیے۔ مالتھس کیوں غلط ثابت ہوا۔ اس کی ایک وجہ زراعت کی پیداواریت میں کافی حدتک اضافہ ہونا ہے۔ کیا آپ دریافت کرسکتے ہیں کہ کس طرح یہ بڑھی ہوئی پیداوری صلاحیت حاصل کی گئی۔ یعنی وہ عوامل کون سے تھے جن کے ذریعے زراعت میں زیادہ پیداوار یت آئی؟ کچھ دوسرے اسباب کیا ہوسکتے ہیں جن سے پتہ چلے کہ مالتھس غلط تھا؟ اپنے ہم جماعتوں سے بحث کیجیے اور اپنے استاد کی مدد سے ایک فہرست تیار کیجیے۔

یہ آبادی کا دھماکہ (غیر معمولی اضافہ) اس لیے واقع ہوتا ہے کیوں کہ شرحِ اموات، بیماریوں پر قابو پانے، صحت عامہ اور بہتر تغذیہ کے ترقی یافتہ طریقوں کے ذریعے تیزی سے کم ہوتی جارہی ہے۔ تاہم، سماج کے لیے اس تبدیلی سے تطابق کرنے اور اس کے تولیدی کردار (جس کا ارتقا غربت اور اونچی شرحِ اموار کی مدت کے دوران ہوا تھا) کی اضافی خوش حالی اور طویل دورِ حیات کی نئی صورت حال کی موزونیت میں وقت لگتا ہے۔ عبور کی اسی قسم پر انیسویں صدی کے آخر اور ابتدائی بیسویں صدی کے دوران گہرا اثر پڑا تھا۔ کم ترقی یافتہ ممالک میں بھی، جو گرتی ہوئی شرحِ اموار کے لحاظ سے شرحِ پیدائش میں بھی کمی کی جدوجہد کر رہے ہیں کم وبیش اس انداز کی تعمیل ہوئی۔ ہندوستان میں آبادیاتی عبور ابھی پورا نہیں ہوا ہے کیوں کہ شرحِ اموات تو کم ہوئی ہے لیکن شرحِ پیدائش اس حدتک کم نہیں ہوسکی ہے۔

عام تصورات اور اظہار

اکثر آبادیاتی تصورات کو شرح یا تناسب کے ذریعے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس میں دو اعداد شامل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک عدد خاص شماریاتی ہوتا ہے جس کو ایک مخصوص جغرافیائی انتظامی اکائی کے لیے شمار کیا جاتا ہے؛ دوسرا عدد موازنے کا ایک معیار فراہم کرتا ہے۔ مثال کے لیے شرح پیدائش کسی مخصوص علاقے (ایک پورا ملک۔ ایک ریاست یا کوئی دوسری علاقائی اکائی) میں ایک مخصوص مدت کے دوران (عام طور پر ایک سال) اس علاقے کی کل آبادی کو ایک ہزار سے تقسیم کرنے کے ذریعے حاصل زندہ پیدائشوں کی تعداد ہے۔ دوسرے لفظوں میں شرح پیدائش فی 1000 آبادی پر زندہ پیدائشوں کی تعداد ہے شرحِ اموات اسی طرح شمار سے متعلق ہے جیسے ایک مخصوص مدت کے دوران ایک مخصوص علاقے میں فی 1000 آبادی پر اموات کی تعداد کے طور پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ شماریات ان خاندانوں (جن میں پیدائش یا اموات واقع ہوتی ہیں) کے ذریعے دی گئی اطلاع کی بنیاد پر منحصر ہے۔ درحقیقت زیادہ تر ملکوں بشمول ہندوستان میں لوگوں کو پیدائش اور اموات سے متعلق اطلاع متعلقہ حکام یعنی مقامی پولیس اسٹیشن یا ابتدائی مرکز صحت (گاؤں کے معاملے میں)، متعلقہ میونسپل/نگر پنچایت دفتر (قصبے اور شہروں کے معاملے میں) میں دینا ضروری ہے۔

آبادی میں قدرتی اضافے کی شرح یا آبادی کی شرح افزائش سے مراد شرح پیدائش اور شرحِ اموار کے درمیان فرق ہے۔ جب کہ یہ فرق صفر ہے (یا عملاً بہت ہی مختصر ہے) تب ہم کہہ سکتے ہیں کہ آبادی مستحکم ہے یا سطح بدل یا بھرپائی کی سطح تک پہنچ چکی ہے جو نئی نسلوں کے لیے پرانے لوگوں (جو ختم ہورہے ہیں) کی جگہ لینے کے لیے مطلوبہ شرحِ افزائش ہے۔ کبھی کبھی سوسائیٹیوں میں ایک منفی شرحِ افزائش کا تجربہ ہوتا ہے۔ یعنی ان کی شرح بارآوری کی سطح بھرپائی کی شرح سے نیچے ہوتی ہے۔ یہ آج دنیا کے کئی ملکوں اور خطوں جیسے جاپان، روس، اٹلی اور مشرقی یورپ میں صحیح ہے۔ جب کہ دوسری طرف کچھ سوسائٹیوں میں بہت اونچی شرحِ افزائش ہے، خاص طور پر اس وقت جب وہ پچھلے صفحے میں بیان کیے گئے آبادیاتی عبور کے مرحلے میں ہوں۔

شرح بارآوری سے مراد عمر گروپ میں فی 1000 زندہ پیدائشوں کی تعداد ہے، یہ عمر عام طور پر 15 تا 49 سال مانی جاتی ہے۔ لیکن پچھلے صفحے میں جن دیگر شرحوں (شرحِ پیدائش اور شرحِ اموات) پر بحث کی گئی ہے ان سے الگ یہ خام شرح ہے۔ یہ پوری آبادی کے لیے ایک خام اوسط ہے اور مختلف عمر گرویوں میں فرق کا لحاظ نہیں کرتی۔ مختلف عمر گرویوں میں فرق کبھی کبھی اشاریوں یا اظہاریوں کے مفہوم میں کافی اثرانداز ہوسکتی ہیں یہی وجہ ہے کہ آبادیاتی مطالعہ کرنے والے مخصوص عمری شرح کا بھی شمار کرتے ہیں۔ کل شرح بارآوری سے مراد ان کل زندہ پیدائشوں کی تعداد ہے جو قیاسی طور پر کوئی عورت جنم دیتی ہے اگر وہ تولیدی عمر گروپ میں زندہ رہتی تو اس عمر گروپ کے ہر حصے میں بچوں کی اوسط تعداد کو اس مخصوص علاقے کے لیے مخصوص عمری شرح بارآوری کے ذریعے متعین کیا جانا چاہئے۔ اس کے اظہار کا ایک طریقہ اور ہے وہ یہ کہ کل شرح بارآوری پیدائشوں کی اوسط تعداد ہے جو تولیدی عمر کی آخری مدت تک کی حامل عورتوں کے گروپ سے متعلق ہوتی ہے۔ تولیدی عمر کا اندازہ ایک مخصوص مدت کے دوران مشاہدہ کیے گئے مخصوص عمری شرح کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ (وساریہ اینڈ وساریہ 2003)

سرگرمی 2.2

یہ معلوم کرنے کی کوشش کیجیے کہ شرح پیدائش میں گراوٹ سست ہے جب کہ شرح اموات نسبتاً زیادہ تیزی سے گراوٹ کی طرف مائل ہے۔ وہ کون سے بعض عوامل ہیں جو ایک فیملی یا میاں بیوی کے فیصلے پر اثرانداز ہوتے ہیں کہ ان کے کتنے بچے ہونے چاہئیں؟ اپنی فیملی یا پڑوس میں اس کے امکانی اسباب کے بارے میں معلوم کیجیے کہ ماضی میں لوگ بہت سے بچوں کی پیدائش کی طرف کیوں مائل تھے؟

شرح مرگ اطفال ایک سال کی عمر سے پہلے فی 1,00,000 زندہ پیدائشوں میں بچوں کی اموات کی تعداد ہے۔ اس طرح مادری شرحِ اموار عورتوں کی وہ تعداد ہے جو فی 1000 زندہ پیدائشوں میں موت کا شکار ہوجاتی ہے۔ طفل اور مادری اموات کی اونچی شرح پس ماندگی اور غربت کا واضح اظہار ہے۔ جیسے جیسے طبی سہولیات، تعلیم کے معیار اور آگہی اور خوش حالی میں اضافہ ہوتا ہے، ان شرحوں میں تیزی سے گراوٹ کے ساتھ ساتھ ترقی واقع ہوتی ہے۔ ایک تصور جو کسی قدر پیچیدہ ہے وہ ہے امکان زندگی (Life expectancy)۔ اس سے مراد تخمینی سالوں کی تعداد جس میں ایک اوسط آدمی کے زندہ رہنے کی توقع کی جاتی ہے۔ (اس کا شمار ایک مخصوص مدت کے دوران کسی مخصوص علاقے میں مخصوص عمری شرحِ اموار پر مبنی شماریات کی بنیاد پر کیا جاتا ہے)۔

جنسی تناسب ایک مخصوص مدت میں کسی مخصوص علاقے میں فی 1000 مردوں پر عورتوں کی تعداد کی دلالت کرتا ہے۔ تاریخی طور پر پوری دنیا میں یہ پایا گیا ہے کہ زیادہ تر ملکوں میں مردوں کے مقابلے عورتیں تھوڑا زیادہ ہوتی ہیں۔ یہ اس حقیقت کے باوجود ہے کہ پیدا ہونے والی بچیوں کی تعداد سے پیدا ہونے والے بچوں کی تعداد تھوڑی زیادہ ہوتی ہے۔ لگتا ہے قدرت کے ذریعے موٹے طور پر فی 1000 بچوں کے لیے 943 تا 952 بچیوں کی پیدائش ہوتی ہے۔ اس حقیقت کے باوجود جنسی تناسب کسی قدر عورتوں کے حق میں ہوتا ہے۔ اس کی بظاہر دو وجوہات ہیں۔ پہلی، طفولیت، میں بیماری کے تئیں مدافعت کے معنی میں لگتا ہے کہ بچوں کے مقابلے بچیوں کو فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ دائرہ حیات کے دوسرے سرے پر اکثر سوسائٹیوں میں مردوں کے مقابلے عورتوں میں زیادہ عرصے تک جینے کا میلان ہوتا ہے۔ اس طرح مردوں کی نسبت بوڑھی عورتوں کی تعداد زیادہ ہے۔ مجموعی طور پر ان دونوں عوامل کا نتیجہ اکثر سیاق وسباق میں جنسی تناسب پر اثر انداز ہونے کی صورت میں نکلا ہے جو موٹے طور پر 1000 مردوں پر 1050 عورتوں کا ہوتا ہے۔ تاہم، یہ بھی دریافت ہوا ہے کہ کچھ ملکوں میں جیسے چین، جنوبی کوریا اور خاص طور پر ہندوستان میں جنسی تناسب میں گراوٹ پیدا ہوتی ہے۔ یہ مظہر رائج سماج معیار واصول سے جڑا ہوا ہے جس میں عورتوں کی نسبت مردوں کی قدر زیادہ ہے۔ اس میں بیٹوں کو زیادہ ترجیح ملتی ہے اور بیٹیوں کو نسبتاً زیادہ نظرانداز کیا جاتا ہے۔

© NCERT not to be republished

آبادی کی عمری ساخت کل آبادی سے متعلق مختلف عمر گروپوں میں افراد کے تناسب کی دلالت کرتی ہے۔ عمری ساخت ترقی کی سطحوں میں اور اوسط امکان زندگی میں تبدیلیوں کے ردعمل میں تبدیلی ہوتی ہے۔ ابتدائی طور پر کمزور طبی سہولیات امراض اور دیگر عوامل کے سبب عرصۂ حیات نسبتاً کم تھا۔ اس کے علاوہ طفل اور مادری اموات کی اونچی شرح بھی عمری ساخت پر اپنا اثر ڈالتی ہے۔ ترقی کے ساتھ ساتھ معیارِ زندگی میں بہتری پیدا ہوتی جاتی ہے اور اس کے سبب عمر کی امکانیت بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں عمری ساخت میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ چھوٹی عمر کے گروپوں کا نسبتاً آبادی کا قلیل ترین تناسب اور بڑی عمر کے گروپوں کا بڑا تناسب پایا جاتا ہے۔ اسے آبادی کے بوڑھے ہونے کے طور پر بھی حوالہ دیا جاتا ہے۔

انحصاری تناسب آبادی کے اس حصے جو متعلقین پر مشتمل ہے (یعنی، بزرگ لوگ جو اتنے بوڑھے ہیں کہ کام نہیں کر سکتے اور اتنے چھوٹے بچے ہیں کہ وہ بھی کام نہیں کر سکتے) اور وہ حصہ جو برسر کار عمر گروپ پر مشتمل ہے (عام طور پر 15 تا 64 سال کی عمر گروپ) کے ساتھ موازنہ کرنے کی پیائش ہے۔ انحصاری تناسب 15 سال سے کم اور 64 سال سے زیادہ عمر گروپ کے لوگوں کی تعداد کو 15 تا 64 سال کی عمر گروپ کے لوگوں کی آبادی سے تقسیم کرنے کے بعد حاصل ہوئی تعداد کے برابر ہوتا ہے۔ یہ تناسب عام طور پر فی صد کی شکل میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ بڑھتا ہوا انحصاری تناسب ان ملکوں کے لیے پریشانی کا سبب بن جاتا ہے جو بوڑھی ہو رہی آبادی کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں کیوں کہ وہاں متعلقین یا منحصر لوگوں کی تعداد بڑھ جانے سے برسر کار عمر والے لوگوں کا تناسب نسبتاً کم ہو جاتا ہے جو متعلقین کا بوجھ ڈھونے میں دشواری محسوس کرتے ہیں۔ دوسری طرف ایک گرتا ہوا انحصاری تناسب معاشی نمو اور خوش حالی کا ذریعے بن سکتا ہے کیوں کہ وہاں برسر کار لوگوں کا تناسب کام نہ کرنے والوں کے مقابلے زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ اسے کبھی کبھی آبادیاتی منافع یا بدلتی عمری ساخت سے ہونے والا فائدہ کہا جاتا ہے لیکن یہ فائدہ عارضی ہوتا ہے کیوں کہ برسر کار آبادی والے لوگوں کا بڑا حصہ آگے چل کر کام نہ کرنے والے بوڑھے لوگوں کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

2.2 ہندوستان کی آبادی کا حجم اور افزائش

ہندوستان دنیا میں چین کے بعد دوسرا سب سے بڑی آبادی والا ملک ہے۔ 2011 کی مردم شماری کے مطابق اس کی کل آبادی 121 کروڑ (یعنی 1.21 بلین) ہے جیسا کہ جدول 1 میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ہندوستان کی آبادی کی شرح افزائش ہمیشہ بہت اونچی رہی ہے۔ سال 1901-1951 کے دوران اوسط سالانہ شرح افزائش 1.33 فی صد سے زیادہ نہیں ہوئی جو کہ ایک عام شرحِ افزائش کہی جا سکتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ 1911 سے 1921 کے دوران شرح افزائش منفی 0.03 فی صد تھی۔ اس کی وجہ 19-1918 کے دوران انفلوئنزا وبا پھیلی تھی جس نے تقریباً 12.5 ملین لوگوں یعنی ملک کی کل آبادی کے 5 فیصد کو موت کا شکار بنا دیا (وساریا اور وساریا 2003:191)۔ برطانوی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے بعد آبادی کی شرح میں کافی اضافہ ہوا اور 1981-1961 کے دوران 2.2 فی صد پہنچ گئی۔ تب سے اگرچہ سالانہ شرح افزائش میں گراوٹ تو آئی ہے پھر بھی وہ ترقی پزیر دنیا میں سب سے اونچی بنی ہوئی ہے۔ چارٹ 1 میں خام پیدائش اور اموات کی شرح کی تقابلی حرکت دکھائی گئی ہے۔ آبادیاتی عبور کے مرحلے کا اثر گراف میں واضح طور پر دکھایا گیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شرح 1921 سے 1931 تک کے دہے کے بعد ایک دوسرے کی مخالف سمت میں جانے لگی تھی۔

© NCERT not to be republished

جدول 1: ہندوستان کی آبادی اور 20 ویں صدی میں اس کی افزائش

سال	کل آبادی لاکھوں میں	اوسط سالانہ شرح افزائش%	عشری شرح افزائش%
1901	238	–	-
1911	252	0.56	5.8
1921	251	-0.03	-0.3
1931	279	1.04	11.0
1941	319	1.33	14.2
1951	361	1.25	13.3
1961	439	1.96	21.5
1971	548	2.22	24.8
1981	683	2.20	24.7
1991	846	2.14	23.9
2001	1028	1.95	21.3
2011	1210	1.63	17.7

ماخذ: http//ayush.gov.in

چارٹ 1: ہندوستان میں شرحِ پیدائش اور اموات 1901-2011

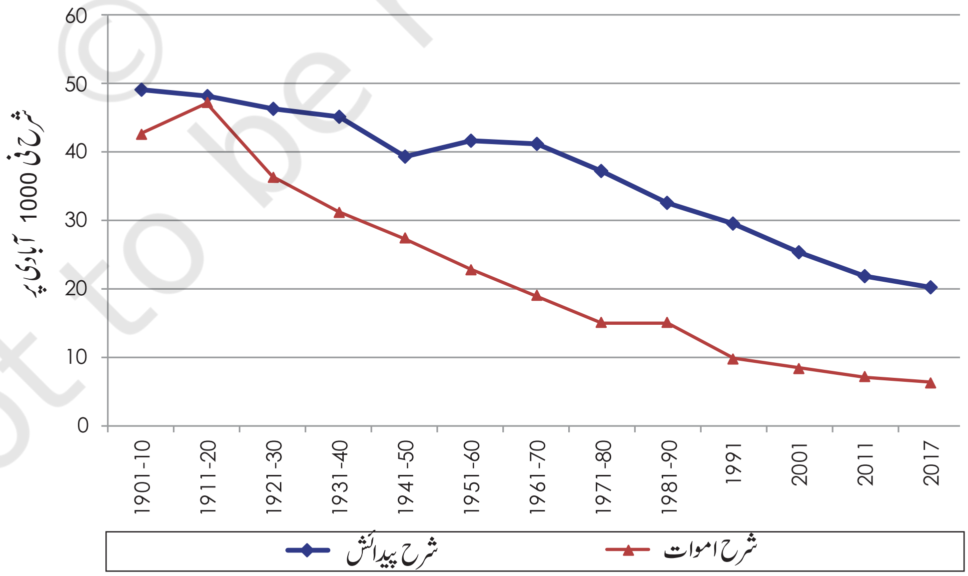

ماخذ: نیشنل کمیشن آف پاپولیشن، حکومت ہند
website: http://populationcommission.nic.in/facts1.htm#

© NCERT not to be republished

1931 سے پہلے شرحِ اموات اور شرح پیدائش دونوں اونچی تھیں،اس عبوری مدت کے بعد شرحِ اموات تیزی سے گرنے لگی لیکن شرح پیدائش میں گراوٹ تھوڑی ہلکی رہی ہے۔

1921 کے بعد شرحِ اموات میں گراوٹ کی اہم وجہ یہ تھی کہ قحط سالی اور وبائی بیماریوں پر قابو پانے کی سطح بڑھ گئی تھی۔اس میں وبائی بیماریوں کی روک تھام غالباً زیادہ اہم ثابت ہوئی۔ پہلے متعدد بڑے وبائی امراض تھے جن میں کئی طرح کے بخار،طاعون،چیچک اور ہیضہ زیادہ خطرناک تھے۔لیکن 1918-19 میں انفلوئنزا نام کے وبائی مرض نے تو اکیلے ہی ملک بھر میں تباہی مچا دی جس

باکس 2.2

1918-19 کی ہمہ گیر انفلوئنزا وبا

انفلوئنزا نام کی وبا ایک وائرس کے ذریعے پھیلتی ہے جو خاص طور پر اوپری مجموعی اعضائے تنفس یعنی ناک،حلق اور پھیپھڑوں کی نالیوں اور کبھی کبھی پھیپھڑوں پر بھی حملہ کر دیتی ہے۔ وائرس (مرض کے زہریلے جراثیم) کی جینی بناوٹ کچھ ایسی ہوتی ہے کہ وہ خود بخود چھوٹی بڑی جینی تبدیلی پیدا کر کے خود کو موجودہ ویکسین کے اثر سے محفوظ کر لیتا ہے۔پچھلی صدی میں انفلوئنزا کے وائرس میں تین بار بڑی بڑی جینی تبدیلی پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں ہمہ گیر (عالمی پیمانے پر) وبا (Pandemics) پھیلی اور کافی بڑی تعداد میں لوگ انفلوئنزا میں مبتلا ہوئے اور اموات کا شکار بنے۔ان میں سب سے زیادہ خطرناک وبا ''اسپینش فلو'' تھی جو دنیا کی آبادی پر زبردست اثر انداز ہوئی اور ایسا سمجھا جاتا ہے کہ 1918-1919 کے دوران اس میں مبتلا ہو کر کم سے کم 4 کروڑ لوگ موت کے منھ میں چلے گئے۔ اس کے بعد انفلوئنزا کی وبا ملک گیر سطح پر کئی علاقوں میں دوبارہ پھیلی۔1957 میں ایشین انفلوئنزا اور 1968 میں ہانگ کانگ انفلوئنزا اور اس سے عالمی سطح پر لاکھوں لوگ مبتلا ہوئے اور موت کا لقمہ بن گئے۔

1918-19 کے اسپینش فلو سے عالمی سطح پر مجموعی طور پر کتنی اموات ہوئیں۔ یہ ٹھیک ٹھیک بتانا ممکن نہیں ہے لیکن یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ پوری کی کل آبادی کا 20 فیصد حصہ کچھ حد تک اس وبا میں مبتلا ہوا اور 2.5 سے 5 فیصد تک انسانی آبادی اس کے سبب موت کا شکار بنی۔انفلوئنزا سے پہلے 25 ہفتوں میں ڈھائی کروڑ لوگ فوت ہوئے۔ اس کے برخلاف ایڈس کی بیماری سے پہلے 25 سال میں ڈھائی کروڑ لوگوں کی موت ہوئی۔ انفلوئنزا دنیا بھر میں پھیل گیا اور اس سے چھ مہینے میں 250 لاکھ سے بھی زیادہ لوگوں کی موت ہوئی۔ دیگر اندازے کے مطابق مرنے والوں کی کل تعداد اس سے دوگنی سے بھی زیادہ یعنی 10 کروڑ تک ہوسکتی ہے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکا میں تقریباً 28 فیصد آبادی اس وبا کا شکار ہوئی اور ان میں سے 500,000 سے 675,000 لوگ موت کا لقمہ بنے۔ برطانیہ میں اس سے مرنے والوں کی تعداد 2,00,000 اور فرانس میں 4,00,000 سے بھی زیادہ بتائی جاتی ہے۔الاسکا اور جنوبی افریقہ میں اس سے گاؤں کے گاؤں تباہ ہوگئے۔آسٹریلیا میں اس سے 10,000 لوگ مرے اور فجی مجموعہ الجزائر میں صرف دو ہفتوں میں وہاں کی 14 فی صد آبادی ضائع ہوگئی اور مغربی سموا میں 22 فی صد لوگ مارے گئے۔ ہندوستان میں تقریباً 170 لاکھ لوگ مارے گئے یعنی اس وقت کی ہندوستان کی آبادی کی تقریباً 5 فی صد آبادی کو جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔برطانوی ہندوستانی فوج میں تقریباً 22 فی صد فوجی اس وبا میں مبتلا ہو کر موت کا لقمہ بنے۔ اگرچہ پہلی عالمی جنگ اس فلو کی براہ راست وجہ نہیں تھی لیکن فوجیوں کے ساتھ ساتھ رہنے اور ان کی اجتماعی نقل وحرکت سے وبا کے پھیلاؤ میں تیزی آئی۔ یہ بھی اندازہ لگایا گیا ہے کہ جنگ کے تناؤ بھرے ماحول میں اور کیمیائی حملوں کے سبب مرض سے مقابلہ کرنے یا مدافعت کا نظام کمزور ہوگیا تھا جس کے سبب وبا کی لپیٹ میں آنے کا امکان بڑھ گیا تھا۔

ماخذ: وکی پیڈیا اور عالمی تنظیم برائے صحت کے ویب صفحات سے مرتب:

http://en.wikipedia.org/wiki/Spanish_flu
http://www.who.int/mediacentre/factsheets/fs211/en/

2020-21 میں تمام دنیا نے کووڈ-19 وبا کا سامنا کیا۔ باکس میں دیے گئے مواد کا میڈیا ذرائع سے حاصل تفصیلات کا موازنہ کیجیے۔

© NCERT not to be republished

میں170لاکھ یعنی سوا کروڑ لوگوں کو یعنی اس وقت کی ہندوستان کی کل آبادی کے تقریباً 5 فی صد حصے کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔(اس وبائی مرض سے ہونے والی اموات کے بارے میں الگ الگ اندازہ لگایا گیا جن میں سے کچھ کے اعداد وشمار بہت زیادہ تھے۔ اسپینی فلو نام سے معروف انفلوئنزا پینڈیمک جو ایک عالمی مظہر تھا (یعنی پوری دنیا اس کی لپیٹ میں تھی) کے بارے میں باکس دیکھیں۔ پینڈیمک ایک وبا ہے جو ایک نہایت وسیع جغرافیائی علاقے پر اثرانداز ہوتی ہے۔فرہنگِ اصطلاحات دیکھیں)۔

ان بیماریوں کے لیے طبی دیکھ بھال میں بہتری، بڑے پیمانے پر چلائے گئے ٹیکہ کاری کے پروگرام اور صفائی ستھرائی کو بہتر بنانے کی کوششوں سے ان وباؤں پر قابو پانے میں مدد ملی۔ لیکن ملیریا، تپ دق، پیچش اور دست کی بیماریاں آج بھی لوگوں کی جانیں لے رہی ہیں، اگرچہ ان سے مرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہوتی جتنی کہ پہلے وبا کی شکل میں ظاہر ہونے والی تباہیوں سے ہوا کرتی تھی۔ سورت ستمبر 1994 میں کچھ حد تک طاعون کی وبا کی لپیٹ میں آ گیا تھا جب کہ 2006 میں ملک کے کئی حصوں میں ڈینگو اور چکن گنیا کی بیماری کے پھیلنے کی اطلاع ملی۔

قحط سالی بھی بڑھتی ہوئی اموات کا ایک اہم اور بار بار واقع ہونے والا ذریعہ تھی۔ ایک ایسے زرعی ماحول میں جس میں بارش کی متلون مزاجی کے سبب کھیتی کی پیداوار پر بہت زیادہ خراب ونقصان دہ اثر پڑتا تھا، قحط سالی انتہائی غربت اور ناقص تغذیہ کے جاری رہنے کا موجب بنتی تھی۔ نقل وحمل اور مواصلات کے مناسب ذرائع کی کمی اور ریاست کی طرف سے ناکافی کوششیں بھی وہ بعض عوامل تھے جو قحط سالی کے لیے ذمہ دار تھے۔ تاہم امرتیہ سین جیسے دانشوروں اور دوسروں کا کہنا ہے کہ قحط سالی کوئی ضروری نہیں کہ اناج کی پیداوار میں کمی کے سبب پیدا ہو۔ 'استحقاق کی ناکامی' یا غذا خریدنے اور کسی سے حاصل کرنے کی لوگوں کی نااہلیت کے سبب بھی قحط سالی واقع ہوتی رہتی ہے۔ ہندوستان کی زراعت کی پیداواریت میں کافی بہتری (خاص طور پر آب پاشی کی توسیع کے سبب) بہتر مواصلاتی ذرائع اور ریاست کے ذریعے تیزی سے راحت پہنچانے اور احتیاطی تدابیر کے سبب قحط سالی سے ہونے والی اموات کو زبردست طور پر کم کرنے میں بہت زیادہ مدد ملی ہے۔ تاہم، ملک کے کچھ پس ماندہ علاقوں سے فاقہ کشی کے سبب ہونے والی اموات کے بارے میں اطلاع ملتی رہتی ہے۔قومی دیہی روزگار گارنٹی ایکٹ مرکزی حکومت کے ذریعے اٹھایا گیا ایک نیا قدم ہے جس سے دیہی علاقوں میں بھوک اور فاقہ کشی کے مسئلے سے نبٹنے میں مدد ملے گی۔

شرحِ اموات کے برعکس شرح پیدائش میں تیز گراوٹ نہیں دیکھی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شرح پیدائش ایک سماجی وثقافتی مظہر ہے جس میں تبدیلی نسبتاً دھیمی رفتار سے پیدا ہوتی ہے۔ بڑی حد تک خوش حالی کی بڑھتی سطح شرحِ پیدائش کو مضبوطی سے نیچے کھینچتی ہے۔ جب ایک بار شرحِ مرگ اطفال میں گراوٹ آجاتی ہے اور تعلیم اور بیداری کی سطحوں میں بھی کل ملا کر اضافہ ہو جاتا ہے تو پھر کنبے کی جسامت چھوٹی ہونے لگتی ہے۔ جیسا کہ چارٹ 1 میں دیکھا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کی ریاستوں میں شرح بارآوری میں کافی زیادہ تنوع پایا جاتا ہے۔ آندھرا پردیش، ہماچل پردیش، پنجاب، تمل ناڈو اور مغربی بنگال جیسی کچھ ریاستیں کل شرحِ بارآوری کو 1.7(2009) تک نیچے لانے میں کامیاب ہوئیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان ریاستوں میں ایک اوسط عورت 1.7 بچے ہی پیدا کرتی ہے جو کہ بھرپائی کی سطح سے کم ہے۔ کیرل کی شرحِ بارآوری بھی بھرپائی کی سطح سے نیچے ہے جس کا مطلب یہ ہوگا مستقبل میں آبادی میں گراوٹ آجائے گی۔ لیکن کچھ ریاستیں خاص طور پر بہار، مدھیہ پردیش، راجستھان اور

چارٹ 2: ہندوستان میں ریاست وار شرح پیدائش، 2016

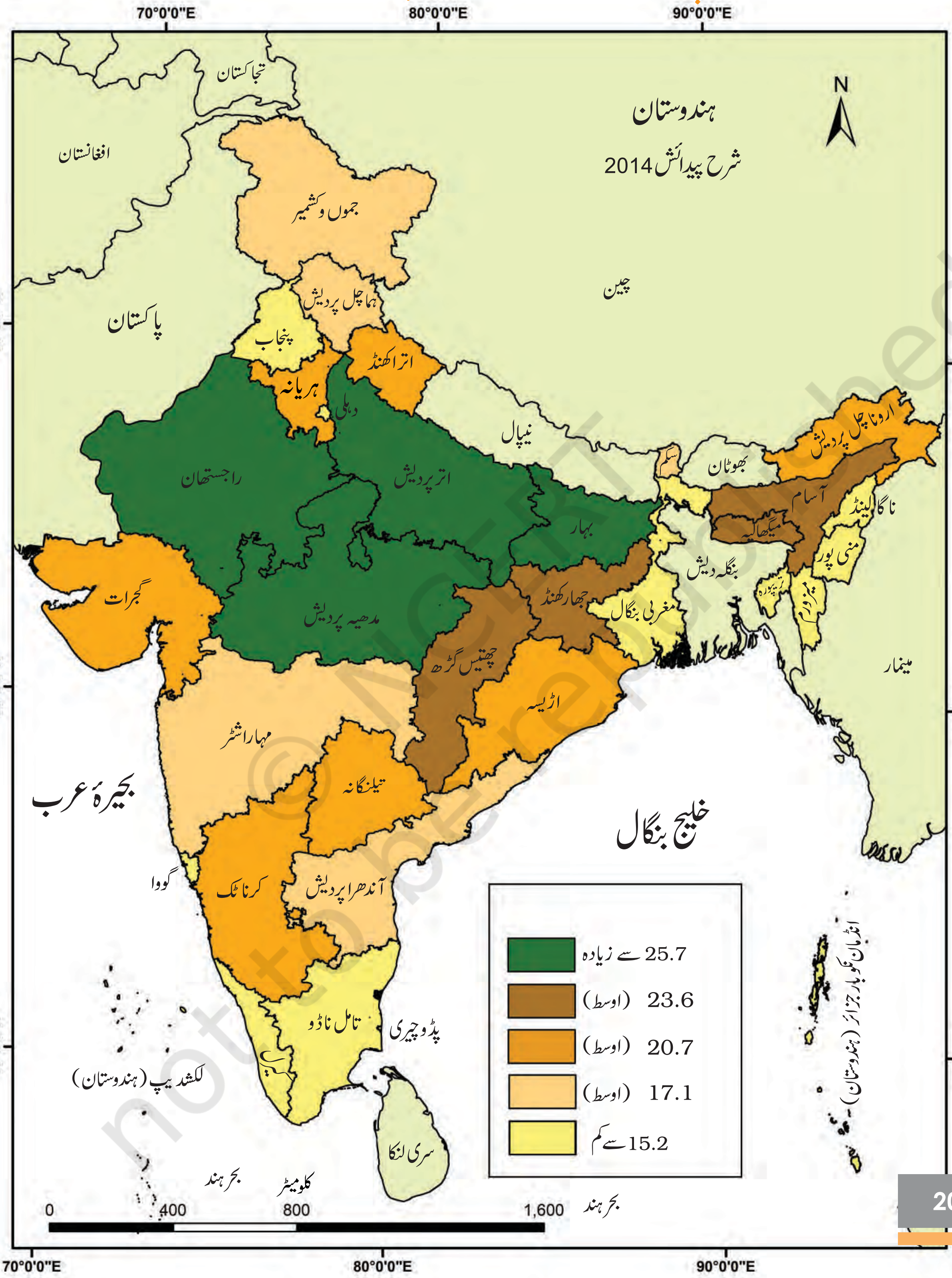

ماخذ: ایس۔آر۔ایس۔بلیٹن، حکومت ہند، جولائی 2016

چارٹ 3: سال 2026 تک تخمینی آبادی کے علاقہ وار حصے

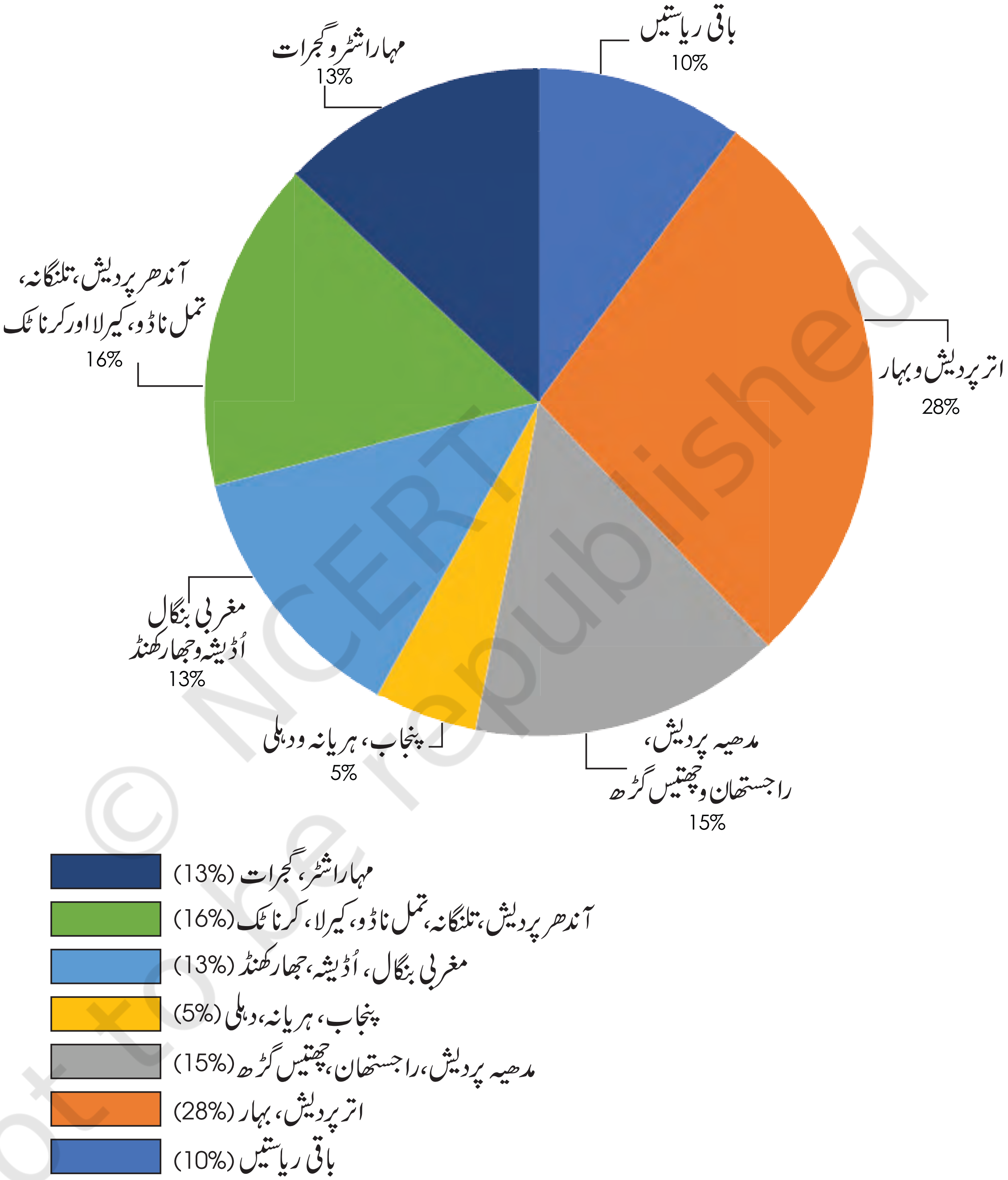

ماخذ: اکنامک سروے، 19-2018، جلد 1، صفحہ 137، وزارت مالیات حکومت ہند۔

© NCERT not to be republished

اترپردیش ایسی ہیں جہاں 2016 میں شرحِ پیدائش 3 یا اس سے بہت زیادہ ہے۔ سال 2009 میں ان ریاستوں کی کل شرح بارآوری بتدریج 3.3، 2.8، 2.7 اور 3.12 تھی۔ ہندوستان کی 2015 کے اعداد و شمار کے مطابق ہندوستان کی کل شرح پیدائش 22.2 تھی، جس میں دیہی شرح پیدائش 22.4 اور شہری شرح پیدائش 17.3 تھی، ہندوستان میں سب سے زیادہ شرح پیدائش اترپردیش (25.9) اور بہار (26.4) کی تھی اور سال 2026 تک یہ ریاستیں ہندوستان کی آبادی میں ہونے والے تقریباً نصف (50 فی صد) اضافے کے لیے ذمہ دار ہوں گی۔ اس اضافے میں اکیلے اترپردیش کا حصہ چوتھائی سے تھوڑا کم (یعنی 22 فی صد) ہونے کی امید ہے۔ چارٹ 2 ہندوستان کی افزائشِ آبادی میں ریاستوں کے الگ الگ علاقائی گروپوں کے نسبتی حصے کو ظاہر کرتا ہے۔

2.3 ہندوستان کی آبادی کی عمری ساخت

ہندوستان کی آبادی میں جوانوں کی تعداد زیادہ ہے اور اوسط عمر زیادہ تر دوسرے ملکوں کے مقابلے میں کم ہے۔ جدول 2 سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ملک کی کل آبادی میں 15 سال سے کم عمر والے گروپ کا حصہ جو 1971 میں 42 فی صد کی سب سے اونچی سطح پر تھا گھٹ کر 2011 میں 29 فی صد کی سطح پر آگیا ہے۔ 15 تا 59 سال کی عمر گروپ 53 فی صد سے کچھ بڑھ کر 63 فی صد ہو گیا ہے جب کہ 60 سال سے اوپر کی عمر والے گروپ کا حصہ بہت چھوٹا ہے لیکن وہ اسی مدت کے دوران (5 فی صد تا 7 فی صد) بڑھنا شروع ہو گیا ہے۔ لیکن اگلے دو دہوں میں ہندوستان کی عمری ساخت میں کافی تبدیلی کی توقع ہے اور تبدیلی زیادہ تر وسعت عمر کے دونوں سرے پر آئے گی جیسا کہ جدول میں دکھایا گیا ہے۔ 0-14 عمر گروپ کا حصہ تقریباً 11 فی صد گھٹ جائے گا۔ (2001

جدول 2: ہندوستان کی عمری ساخت، 1961 تا 2026

سال	عمر گروپ			کل
	0 تا 14 سال	15 تا 59 سال	60 سال سے زیادہ	
1961	41	53	6	100
1971	42	53	5	100
1981	40	54	6	100
1991	38	56	7	100
2001	34	59	7	100
2011	29	63	8	100
2026	23	64	12	100

عمر گروپ کے کالموں میں ان کے حصوں کا فی صد دیا گیا ہے، ہوسکتا ہے کہ عدد صحیح میں کرنے کے سبب ان فی صد حصوں کا میزان 100 نہ ہو۔

ماخذ: نیشنل کمیشن آن پاپولیشن (قومی آبادی کمیشن) کے آبادی سے متعلق تکنیکی گروپ کے پروجیکشن (1996 اور 2006) سے حاصل ڈاٹا پر مبنی

1996 کی رپورٹ کے ویب صفحہ *http://population commission.nic.in/facts1.htm*

© NCERT not to be republished

میں 34 فی صدتھا جو 2026 میں گھٹ کر 23 فی صد ہو جائے گا) جب کہ 60 سال سے زیادہ کے عمر گروپ میں تقریباً 5 فی صد کا اضافہ ہوگا (یہ 2001 کے 7 فی صد سے بڑھ کر 2026 میں 12 فی صد ہو جائے گا) چارٹ 4 میں آبادی پرامڈ (Pyramid) کی 2026 تک کی قیاسی شکل دکھائی گئی ہے۔

چارٹ 4: عمر گروپ پرامڈ 1961، 1981، 2001 اور 2026

ہندوستان 1961

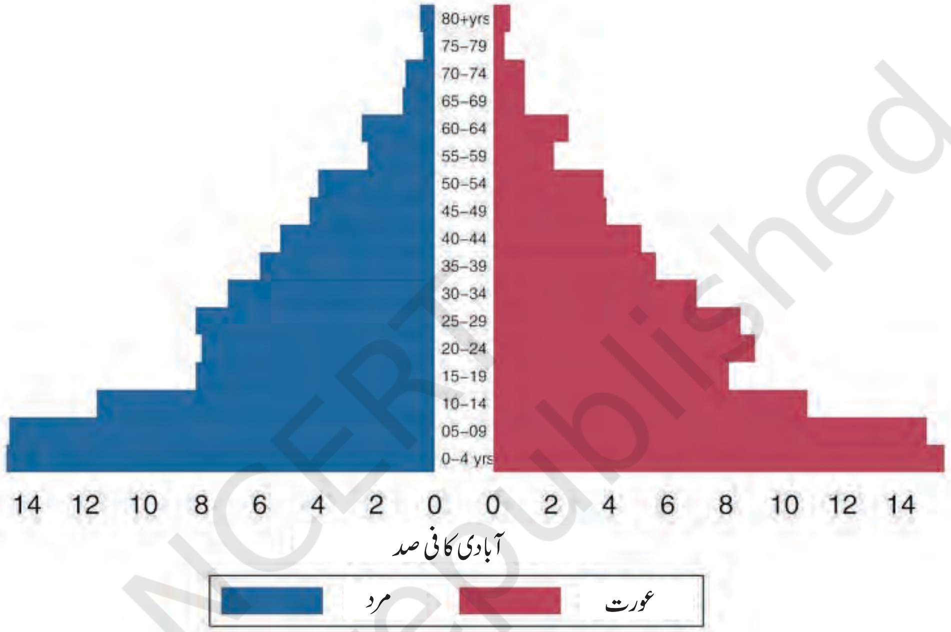

ہندوستان 1981

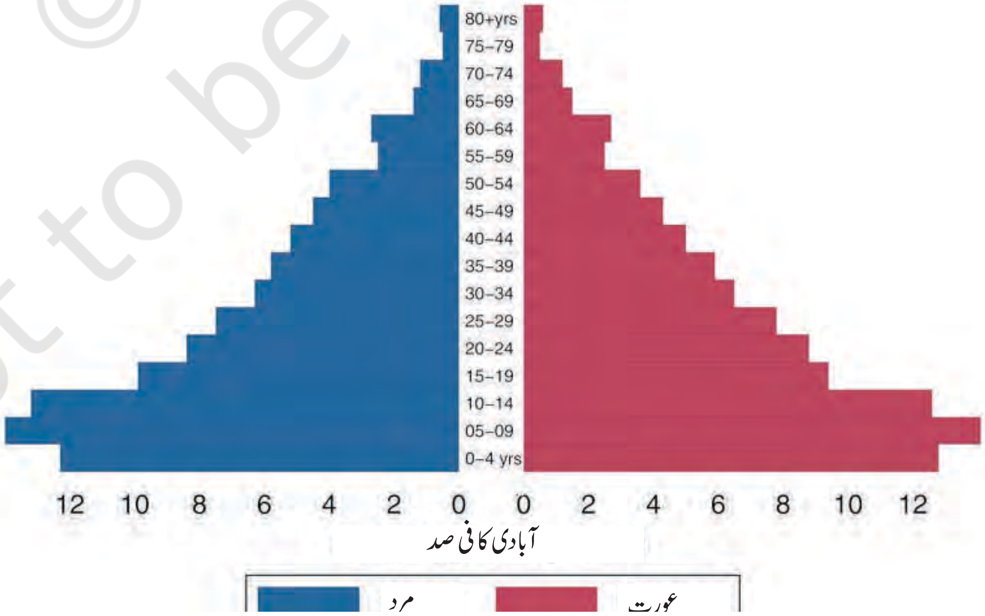

© NCERT not to be republished

ہندوستان 2001

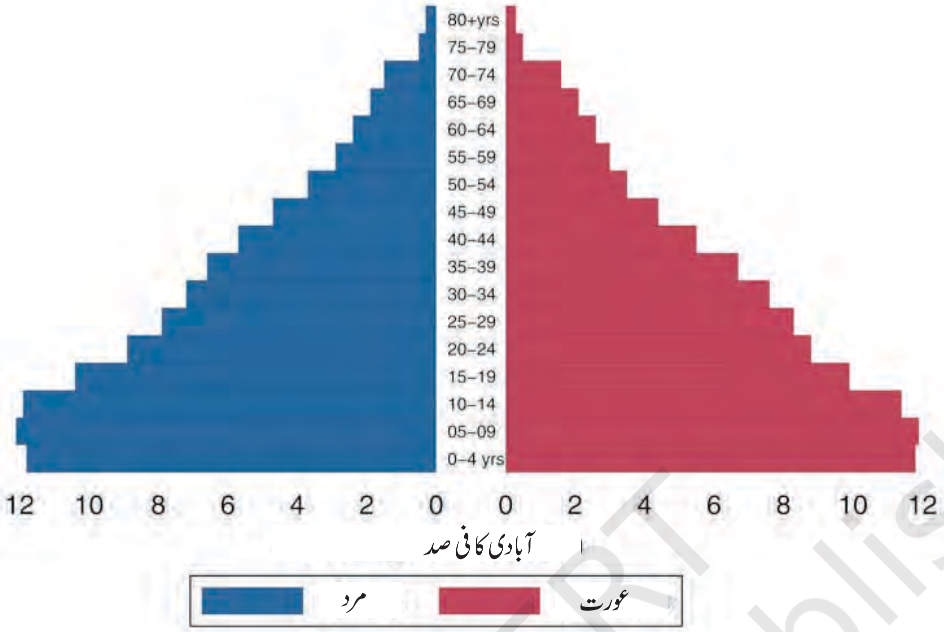

ہندوستان 2026

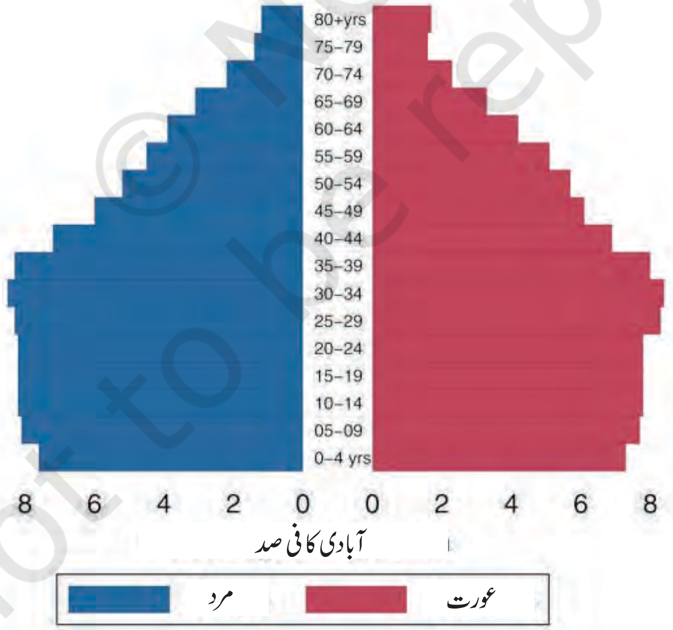

ماخذ: ہندوستان کی مردم شماری (1961، 1981 اور 2001) کے متعلقہ جلد اور قومی آبادی کمیشن کے آبادی سے متعلق تکنیکی گروپ کے پروجکشنز کی رپورٹ سے لیے گئے ڈاٹا پر مبنی

© NCERT not to be republished

چارٹ 4 کے لیے مشق

چارٹ 4 میں دکھائے گئے عمر گروپ پراماڈوں میں جدول 2 میں پیش عمر گروپ سے متعلق اعداد و شمار کے زیادہ تفصیلی گوشوارے دیے گئے ہیں۔ ان پراماڈوں میں مردوں کے لیے (بائیں طرف) اور عورتوں کے لیے (دائیں طرف) الگ الگ اعداد و شمار دیے گئے ہیں اور ان کے درمیان متعلقہ پانچ سالہ عمر گروپ دکھایا گیا ہے۔ افقی چھڑوں پر (جن میں کسی خاص عمر گروپ کے مرد اور عورتیں دونوں شامل ہے) نظر ڈالنے سے آپ کو آبادی کی عمری ساخت کا اندازہ ہو جائے گا۔ پراماڈ میں عمر گروپ سب سے نیچے 0 تا 4 سال والے گروپ سے شروع ہو کر سب سے اوپر 80 سال اور اس سے زیادہ کے عمر گروپ تک دیے گئے ہیں۔ جن میں سے تین پراماڈ 1961، 1981 اور 2001 کی دس سالہ مردم شماری اور چوتھا پراماڈ 2026 کی قیاسی صورت حال کو ظاہر کرتا ہے۔ 2026 کا پراماڈ متعلقہ عمر گروپوں کی قیاس کے مطابق مستقبل کی شکل کو دکھاتا ہے جو ہر ایک عمر گروپ کی پرانی شرح افزائش کے اعداد و شمار پر مبنی ہے۔ ایسے قیاس کو پروجیکشن بھی کہا جاتا ہے۔

یہ پراماڈ شرحِ پیدائش میں آئی تدریجی کمی اور امکان زندگی میں اضافے کو دکھاتے ہیں۔ جیسے جیسے زیادہ سے زیادہ لوگ ضعیفی کی عمر تک زندہ رہنے لگتے ہیں تو پراماڈ کا سب سے اوپری حصہ چوڑا ہوتا جاتا ہے اور جیسے جیسے شرح پیدائش کے نئے معاملے نسبتاً کم ہوتے جاتے ہیں پراماڈ کا سب سے نچلا حصہ تنگ ہوتا جاتا ہے لیکن شرح پیدائش میں گراوٹ کافی دھیمی رفتار سے آتی ہے۔ اس لیے 1961 سے 1981 کے دوران پراماڈ کے سب سے نچلے حصوں میں زیادہ تبدیلی نہیں آئی۔ پراماڈ کے درمیان کا حصہ برابر چوڑا ہوتا جاتا ہے کیوں کہ کل آبادی میں اس کا حصہ بڑھتا جاتا ہے۔ اس سے درمیان عمر والے گروپوں میں ایک ابھار بن جاتا ہے جو 2026 کے پراماڈ میں صاف دکھائی دیتا ہے۔ اسی ابھار کو آبادیاتی منافع کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں اسی سبق میں آگے ذکر کیا جائے گا۔

اس چارٹ کا محتاط طور پر مطالعہ کریں۔ اپنے استاد کی مدد سے یہ پتہ لگانے کی کوشش کریں کہ 1961 کی نئی نسل (0 تا 4 عمر گروپ) جب آنے والے سالوں میں پراماڈ میں اوپر کی طرف بڑھتی جائے گی تو اس کی کیا حالت ہوگی۔

- سال 1961 کا 0-4 عمر گروپ بعد کے سالوں کے پراماڈوں میں کہاں واقع ہوگا؟
- جب آپ 1961 سے 2026 کی طرف بڑھیں گے تو پراماڈ کا کون سا حصہ سب سے چوڑا ہوگا؟
- آپ کے خیال میں سال 2051 اور 3001 میں پراماڈ کی شکل کیسی ہوگی؟

جیسے جیسے مختلف خطوں میں شرح بارآوری الگ ہوتی ہے، اسی طرح عمری ساخت میں بھی بہت زیادہ علاقائی فرق پایا جاتا ہے۔ ایک طرف تو حالت یہ ہے کہ کیرل جیسی ریاست عمری ساخت کے معاملے میں ترقی یافتہ ملکوں جیسی عمری ساخت حاصل کرنے لگی ہے، وہیں دوسری طرف اترپردیش کی صورت حال بالکل مختلف ہے جہاں نسبتاً چھوٹے عمر گروپوں میں آبادی کا تناسب کافی زیادہ ہے اور ضعیفوں کا تناسب نسبتاً کم ہے۔ کل ملا کر ہندوستان کی صورتِ حال تقریباً اوسط کی ہے کیوں کہ یہاں اترپردیش جیسی ریاست بھی ہے اور کیرل جیسی ریاست بھی ہے۔ چارٹ 4 میں اتر پردیش اور کیرل کے بارے میں سال 2026 کی قیاسی آبادی کے پراماڈ دکھائے گئے ہیں۔ کیرل اور اترپردیش کے پراماڈ میں سب سے چوڑے حصوں کے مقام کے فرق کو غور سے دیکھیے۔

© NCERT not to be republished

چارٹ 5: عمری ساخت کے پرامڈ

کیرل اور اتر پردیش 2026

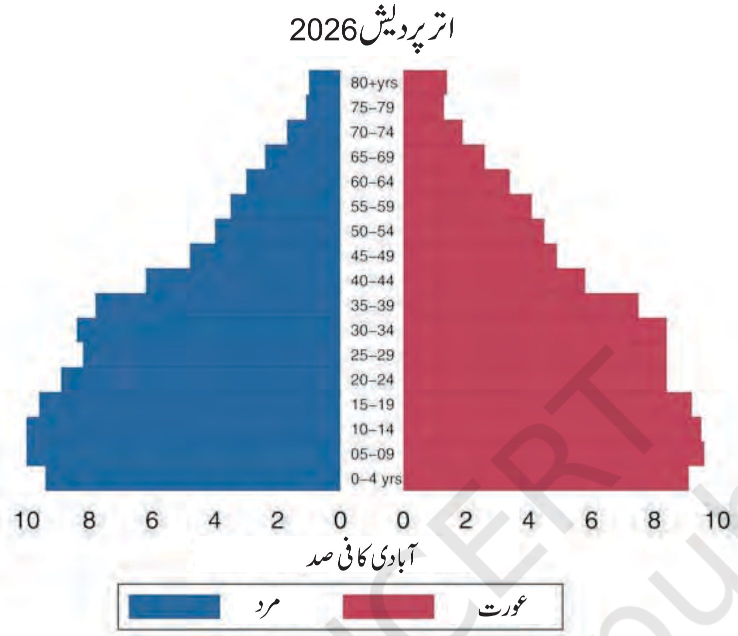

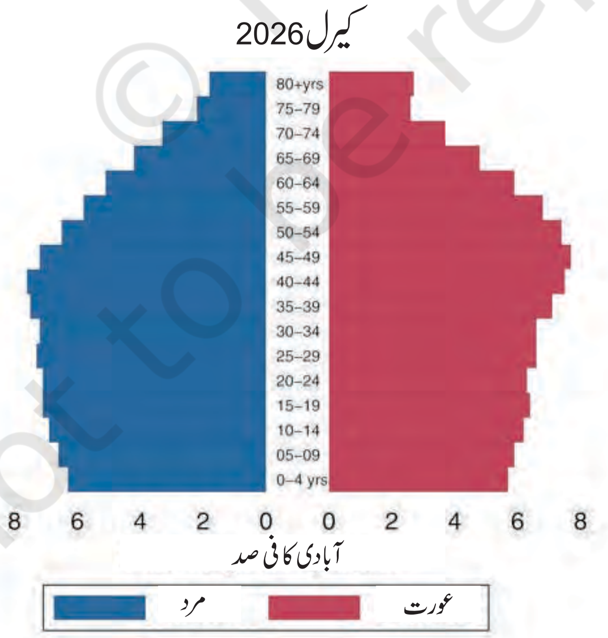

ماخذ: قومی آبادی کمیشن کے آبادی سے متعلق تکنیکی گروپ کے پروجیکشنز(2006) کی رپورٹ

چھوٹی عمر کے گروپوں کی طرف جو میلان پایا جاتا ہے اسے ہندوستان کے لیے سود مند مانا جاتا ہے۔ پچھلے دہے میں مشرق ایشیائی معیشتوں کی طرح اور آج کے آئرلینڈ کی طرح یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستان کو آبادیاتی منافع، کا فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔ یہ منافع اس حقیقت کے سبب مل رہا ہے کہ برسرکار عمر گروپ کے لوگوں کی موجودہ نسل نسبتاً بڑی ہے اور اسے ضعیف لوگوں کی نسبت چھوٹی نسل کی پرورش کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن یہ فائدہ اپنے آپ ملنے والا نہیں ہے بلکہ اس کے لیے مناسب پالیسیوں کی سوچ سمجھ کر پابندی کرنی ہوگی جیسا کہ باکس 2.3 میں بیان کیا گیا ہے۔

باکس 2.3

کیا بدلتی ہوئی عمری ساخت ہندوستان کے لیے آبادیاتی منافع پیش کر رہی ہے؟

آبادیاتی فائدہ یا 'منافع' آبادی کی عمری ساخت سے اس حقیقت کے سبب مل سکتا ہے کہ ہندوستان اس وقت پوری دنیا کے نوعمر ملکوں میں سے ایک ہے (اور کچھ عرصے کے لیے آگے بھی رہے گا)۔ سال 2011 میں ہندوستان کی آبادی کا ایک تہائی حصہ 15 سال کی عمر سے نیچے تھا۔ سال 2020 میں ہندوستانیوں کی اوسط عمر صرف 29 سال تھی جب کہ چین اور ریاست ہائے متحدہ امریکا میں اوسط عمر 37 سال، مغربی یورپ میں 45 سال اور جاپان میں 48 سال ہوگی۔ اس کا مطلب یہ کہ ہندوستان کے پاس کافی بڑی اور بڑھتی ہوئی قوت محنت ہوگی جو افزائش اور خوش حالی کے معاملے میں غیر متوقع فوائد فراہم کر سکتی ہے۔

'آبادیاتی منافع' آبادی میں کام نہ کرنے والے لوگوں کے مقابلے کام کرنے والے یعنی کمانے والے لوگوں کے تناسب میں اضافے کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے۔ عمر کے لحاظ سے برسرکار آبادی موٹے طور پر 15 سے 64 سال تک کی عمر کی ہوتی ہے۔ برسرکار عمر گروپ خود اپنی پرورش تو کرتا ہی ہے ساتھ ہی اسے اپنے عمر گروپ سے باہر کے عمر گروپ (یعنی بچوں اور بوڑھوں) کو بھی سہارا دینا ہوتا ہے جو خود کام نہیں کر سکتے ہیں اور اس لیے منحصر ہوتے ہیں۔ آبادیاتی عبور سے عمری ساخت میں ہونے والی تبدیلی انحصاری تناسب کو یعنی آبادی کے نہ کمانے والے عمر گروپ اور کمانے والے یعنی برسرکار عمر گروپ کے درمیان تناسب کو کم کر دیتی ہے جس سے افزائش ہونے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔

لیکن اس امکان کو حقیقی افزائش میں تبھی بدلا جا سکتا ہے جب برسرکار عمر گروپ میں تعلیم اور روزگار کی سطحوں میں بھی اس لحاظ سے اضافہ ہوتا جائے۔ اگر قوت محنت میں شامل نئے لوگ تعلیم یافتہ نہیں ہوں گے تو ان کی پیداواری صلاحیت کم رہے گی۔ اگر وہ بے روزگار رہتے ہیں تو وہ بالکل بھی نہیں کما سکیں گے اور کمانے والوں کی بجائے منحصر یا متعلقین کے زمرے میں شامل ہو جائیں گے۔ لہٰذا اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ عمری ساخت میں تبدیلی پیدا ہونے سے فائدہ حاصل ہو جائے گا جب تک کہ منصوبہ بند ترقی کے ذریعے ان کا صحیح طریقے سے استعمال نہ کیا جائے۔ اصل مسئلہ تو انحصاری تناسب کی تعریف کو لے کر ہے کیوں کہ یہ کام نہ کرنے والوں کی عمر اور کام کرنے والوں کی عمر کے تناسب پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ روزگار کی حیثیت پر۔ اصل بات یہ ہے برسرکار عمر گروپ کا فرد بے روزگار بھی ہو سکتا ہے۔ برسرکار عمر گروپ اور بے روزگار گروپ کے درمیان کا فرق بے روزگاری اور کم روزگار کی صورت حال پر مبنی ہے۔ بے روزگار یا کم روزگار قوت محنت کے ایک حصے کو پیداواری عمل سے باہر رکھتی ہے۔ اس فرق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ ملک آبادیاتی منافع کا فائدہ کیوں اٹھاتے ہیں جب کہ کچھ اور ملک ایسا نہیں کر پاتے۔

درحقیقت ہندوستان کو آبادیاتی منافع کے ذریعے تخلیق کیے گئے مواقع دستیاب ہیں۔ عمر گروپوں کی اصطلاح میں معین انحصاری تناسب پر آبادیاتی رجحانات کا اثر صاف طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ کل انحصاری تناسب جو 1970 میں 79 تھا، وہ 2005 میں گر کر 64 پر آ گیا ہے۔ اسی بات کا پورا امکان ہے کہ یہ عمل اس صدی میں آگے بھی جاری رہے گا جس کے نتیجے میں عمر پر مبنی انحصاری تناسب 2025 میں 48 تک گر سکتا ہے کیوں کہ آبادی میں بچوں کا تناسب آگے بھی گرتا جائے گا لیکن یہ انحصاری تناسب پھر بڑھتے ہوئے 2050 میں 50 تک پہنچ جائے گا کیوں کہ ضعیفوں کے تناسب میں اضافہ ہو جائے گا۔

© NCERT not to be republished

بہرحال مسئلہ روزگار کا ہے۔حکومت ہند کے ذرائع سے حاصل ڈاٹا کے مطالعے اور 2001 کی ہندوستان کی مردم شماری سے پتہ چلتا ہے کہ دیہی اور شہری دونوں طرح کے علاقوں میں روزگار پیدا کرنے (کام کے نئے مواقع پیدا کرنے) کی شرح میں ایک ساتھ بھاری گراوٹ آئی ہے۔ یہ صورت حال نوجوانوں کے معاملے میں بھی صحیح ہے۔15 تا 30 سال کے عمر گروپ میں روزگار کی شرح اضافہ 1987 سے 1994 کے درمیان کی مدت میں دیہی اور شہری دونوں علاقوں کے مردوں کے لیے تقریباً 2.4 فی صد سالانہ تھی۔ یہ 1994 سے 2004 کے دوران دیہی مردوں کے لیے گھٹ کر 0.7 فی صد اور شہری مردوں کے لیے گھٹ کر 0.3 فی صد کی سطح پر آ گیا۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک نوجوان مزدور طبقہ کے ذریعے پیش کردہ افادیت کا فائدہ نہیں اُٹھایا جا رہا ہے۔

آج ہندوستان میں آبادیاتی مواقع کی جو دستیابی ہے اس کا فائدہ اٹھانے کے لیے حکمت علمی تو موجود ہے۔لیکن ہندوستان کے حالیہ تجربے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بازار کی قوتیں خود یہ متعین نہیں کر پاتیں کہ ایسی حکمت عملیوں کو نافذ کیا جائے۔ جب تک آگے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا ممکن ہے کہ ہم ان فوائد سے محروم ہو جائیں گے جو ملک کی بدلتی ہوئی عمری ساخت سے ہمیں حاصل ہونے والے ہیں۔

ماخذ: فرنٹ لائین جلد23، شمارہ 01. جنوری14تا27 2006میں سی۔پی چندر شیکھر کے آرٹیکل سے لیا گیا۔

سر گرمی 2.3

آپ کے خیال میں عمری ساخت کا نسلوں کے درمیان تعلقات پر کیا اثر پڑتا ہے؟ مثال کے لیے کیا اونچا انحصاری تناسب نوجوان اور بزرگ نسلوں کے درمیان زیادہ تنازعہ کی صورت حال پیدا کر سکتا ہے؟ ان سوالات پر کلاس میں بحث کریں اور وجہ بتاتے ہوئے اپنے نتائج کی فہرست تیار کرنے کی کوشش کریں۔

2.4 ہندوستان میں گرتا ہوا صنفی تناسب

صنفی تناسب آبادی میں صنفی توازن کا ایک اہم اشاریہ ہے۔جیسا کہ پہلے تصورات سے متعلق سیکشن میں کہا گیا ہے تاریخی لحاظ سے صنفی تناسب تھوڑا عورتوں کے حق میں رہا ہے یعنی فی 1,000 مردوں پر عورتوں کی تعداد عام طور پر 1000 سے کچھ اوپر ہی رہتی آئی ہے۔ تاہم جیسا کہ جدول 3 سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں عورت مرد تناسب پچھلی ایک صدی سے کچھ زیادہ عرصے سے گرتا جا رہا ہے۔20 ویں صدی کے شروع میں ہندوستان میں فی 1000 مردوں پر عورتوں کی تعداد 972 تھی لیکن 21 ویں صدی کے شروع میں عورت مرد تناسب گھٹ کر 933 ہو گیا ہے۔ پچھلے چار دہوں کا رجحان خاص طور پر تشویش ناک رہا ہے،1961 میں صنفی تناسب 941 تھا جو گھٹتے ہوئے اب تک کے سب سے نیچے کی سطح 927 پر آ گیا حالاں کہ 2001 میں اس میں پھر معمولی سا اضافہ ہوا ہے۔سال 2011 کی ہندوستان کی مردم شماری کے عارضی ڈاٹا کے مطابق صنفی تناسب میں اضافہ ہوا ہے اور اب یہ فی 1000 مردوں پر 940 عورتیں ہو گیا ہے۔

لیکن آبادیات کا مطالعہ کرنے والوں، پالیسی سازوں، سماجی کارکنان اور سماجی سروکار رکھنے والے شہریوں کو واقعتاً اس حقیقت نے خبردار کیا ہے کہ بچوں کے صنفی تناسب میں زبردست گراوٹ پیدا ہوئی ہے۔مخصوص عمری صنفی تناسب 1961 میں شمار ہونا شروع ہوا جیسا کہ جدول 3 میں دکھایا گیا ہے، 0 تا 6 عمر گروپ کا صنفی تناسب (جسے کمسنی یا اطفال صنفی تناسب کہا جاتا ہے) عام طور پر سبھی عمر گروپوں کے لیے مجموعی صنفی تناسب سے کافی اونچا رہتا آیا ہے لیکن اب اس میں بڑی تیزی سے گراوٹ آ رہی ہے۔ درحقیقت 1991 سے 2001 تک کے دہے کے اعداد و شمار میں یہ بے قاعدگی دکھائی دیتی ہے کہ مجموعی صنفی تناسب میں جہاں

اب تک کی سب سے زیادہ 6 نمبروں کا اضافہ (کم ترین 927 سے 933) درج ہوا ہے لیکن اطفال صنفی تناسب 18 نمبروں کا غوطہ لگا کر 945 سے گھٹ کر 927 کی سطح پر آ گیا اور اس طرح وہ پہلی بار مجموعی صنفی تناسب سے نیچے چلا گیا ہے۔ سال 2011 کی مردم شماری (عارضی) کے مطابق بچوں کے صنفی تناسب میں پھر (13) نمبروں کی گراوٹ آئی اور یہ 914 ہو گیا۔ ایک مضمون کے مطابق 2017 میں یہ تناسب بڑھ کر 919 ہو گیا ہے۔

جدول 3: ہندوستان میں گرتا ہوا صنفی تناسب 1901 تا 2011

سال	صنفی تناسب (سبھی عمر گروپوں میں)	پچھلے دہے کے مقابلے میں فرق	اطفال صنفی تناسب 0 تا 6 سال	پچھلے دہے کے مقابلے فرق
1901	972	–	–	–
1911	964	–8	–	–
1921	955	–9	–	–
1931	950	–5	–	–
1941	945	–5	–	–
1951	946	+1	–	–
1961	941	–5	976	–
1971	930	–11	964	–12
1981	934	+4	962	–2
1991	927	–7	945	–17
2001	933	+6	927	–18
2011	943	+10	919	– 8

نوٹ: صنفی تناسب کی فی 1000 مردوں پر عورتوں کی تعداد کی شکل میں تعریف کی جاتی ھے.
مخصوص عمر کے صنفی تناسب کا ڈاٹا 1961 سے پہلے کا دستیاب نہیں۔
سال 2011 کی ہندوستان کی مردم شماری(عارضی) دی ٹریبون 2،مارچ ،2017، ادیتی ننڈن کے مضمون سے لیا گیا ۔

© NCERT not to be republished

ریاستی سطح کے بچوں کے صنفی تناسب اس سے بھی زیادہ تشویشناک ہیں۔ ہندوستان کی 6 ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام خطوں میں بچوں کا صنفی تناسب فی 1000 مردوں پر 900 عورتوں سے کم ہے۔ ہریانہ میں تو بچوں کا صنفی تناسب سب سے کم یعنی 834 ہے اس کے بعد پنجاب، جموں کشمیر، دہلی، چنڈی گڑھ اور اتراکھنڈ کا نمبر آتا ہے۔ جیسا کہ نقشہ 2 میں دکھایا گیا ہے اتر پردیش، دمن دیو، ہماچل پردیش، لکشدیپ اور مدھیہ پردیش ریاستوں میں صنفی تناسب 925 سے کم ہے، جبکہ بڑی ریاستوں جیسے مغربی بنگال، آسام، تمل ناڈو، آندھرا پردیش اور کرناٹک میں یہ ملک بھر کے اوسط صنفی تناسب 927 سے زیادہ ہے لیکن 970 سے کم ہے۔ یہاں تک کہ بہترین مجموعی صنفی تناسب والی ریاست کیرل کی حالت بھی 964 کے تناسب کے ساتھ بہت اچھی نہیں ہے ۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ صنفی تناسب اروناچل پردیش میں پایا گیا ہے جو کہ 972 ہے۔

آبادیات کا مطالعہ کرنے والے اور ماہرین سماجیات نے ہندوستان میں صنفی تناسب کم ہونے کی کئی وجوہات بتائی ہیں۔ ان میں سب سے اہم وجہ صحت سے متعلق ہے۔ عورتوں پر بچوں کی پیدائش کا اثر مردوں سے مختلف ہوتا ہے۔ کیوں کہ وضع حمل یا ولادت

چارٹ 6: ریاستوں کے لحاظ سے اطفال صنفی تناسب کا نقشہ

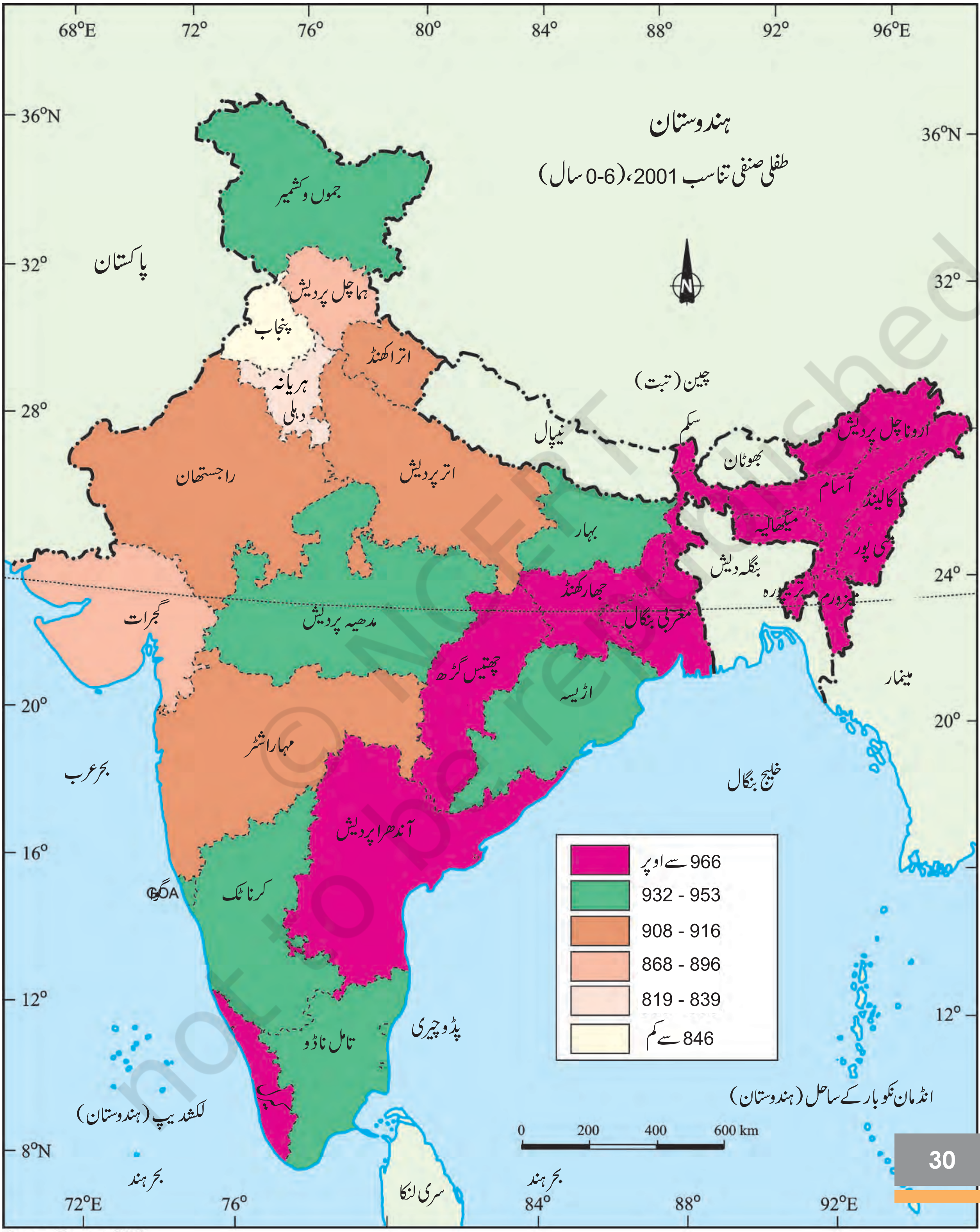

© NCERT not to be republished

ماخذ: مردم شماری 2011 کے اعداد و شمار

میں اموات کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے، جو عورتوں کو ہی سہنا پڑتا ہے اس لیے صنفی تناسب میں کمی ہو سکتی ہے۔ حالاں کہ عورتوں کی شرح اموات میں گراوٹ آسکتی ہے اگر ترقی کے سبب تغذیہ، عام تعلیم اور بیداری کی سطح بلند ہوتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی طبی اور مواصلاتی سہولیات کی دستیابی میں بہتری آتی ہے۔ بے شک، ہندوستان میں مادری شرحِ اموات گھٹتی جا رہی ہے حالانکہ بین الاقوامی معیارات کے مقابلے اب بھی یہ شرح اونچی ہی ہے۔ لہٰذا یہ دیکھنا مشکل ہے کہ کس طرح مادری اموات وقت کے ساتھ صنفی تناسب کو بگاڑنے کے لیے ذمہ دار ہیں۔ ایک اور حقیقت یہ بھی ہے کہ اطفال صنفی تناسب میں کمی مجموعی اعداد وشمار کی نسبت زیادہ تیزی سے پیدا ہے۔ اس لیے سماجی سائنس دانوں کو یقین ہے کہ اس گراوٹ کو بچیوں کے ساتھ امتیازی برتاؤ میں تلاش کرنا چاہیے۔

اطفال صنفی تناسب میں گراوٹ کے لیے کئی عوامل ذمے دار ہو سکتے ہیں جس میں طفولیت یا شیر خواری کے زمانے میں بچیوں کی دیکھ بھال میں بے توجہی جس کے سبب شرحِ اموات اونچی ہو جاتی ہے صنفی مخصوص کا اسقاط حمل جس سے بچیوں کو پیدا ہی نہیں ہونے دیا جاتا اور دختر کشی (مذہبی یا ثقافتی عقائد کے سبب بچیوں کو مارنا) شامل ہے۔ ان میں سے ہر ایک وجہ سنجیدہ سماجی مسئلے کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس بات کی کچھ شہادت بھی ملتی ہے کہ ہندوستان میں یہ سب اب بھی واقع ہو رہا ہے۔ بہت سے خطوں میں دختر کشی کا رواج اب بھی جاری بتایا جاتا ہے جب کہ ایسی جدید طبی تکنیکوں کو زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے جن کی مدد سے حمل کے بالکل ابتدائی مرحلے میں ہی یہ پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ بچے کا جنس کیا ہے۔ سونوگرام (الٹرا ساؤنڈ ٹکنالوجی پر مبنی آلہ تشخیص جو ایکس رے جیسا ہے) جو بنیادی طور پر جینی یا جنین میں دیگر خرابیوں کا پتہ لگانے کے لیے تیار کیا گیا تھا اب جنین کے جنس کی شناخت کرنے اور انتخاب کی بنیاد پر دختر جنین کا حمل ضائع کر دینے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

کچھ علاقوں میں طفلی صنفی تناسب کی نیچی سطح اس دلیل کی تائید کرتی دکھائی دیتی ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ کم ترین طفلی صنفی تناسب ہندوستان کے سب سے زیادہ خوش حال خطوں میں پایا جاتا ہے۔ حالیہ برس کے اکنامک سروے کے مطابق مہاراشٹر، پنجاب، ہریانہ، چنڈی گڑھ اور دہلی فی کس آمدنی کے لحاظ سے ہندوستان کی سب سے امیر ریاست کے زمرے میں آتی ہیں اور یہی ریاستیں کم ترین طفلی صنفی تناسب والی ریاستیں ہیں۔ اس لیے انتخابی اسقاط حمل کے مسائل غربت یا لاعلمی یا وسائل کی کمی کے سبب نہیں پیدا ہوئے ہیں۔ مثال کے لیے اگر جہیز کی رسم کے سبب ماں باپ کو اپنی بیٹیوں کی شادی میں دینے کے لیے جہیز کی شکل میں موٹی رقم کی ادائیگی کرنی پڑے تو خوش حال امیر والدین ایسا جہیز دینے کی زیادہ حیثیت رکھتے ہیں۔ تاہم دیکھنے میں آیا ہے کہ سب سے زیادہ خوش حال علاقوں میں ہی صنفی تناسب سب سے کم ہے۔

© NCERT not to be republished

یہ بھی ممکن ہے (حالاں کہ اس مسئلے پر ابھی تحقیق جاری ہے) کہ معاشی طور پر خوش حال خاندان نسبتاً کم، اکثر ایک یا دو بچے پیدا کرنا چاہتے ہیں اس لیے وہ اپنی مرضی کے مطابق ہی لڑکا یا لڑکی پیدا کرنا چاہیں گے۔الٹرا ساؤنڈ تکنیک کی دستیابی کے سبب ایسا کرنا ممکن ہوگیا ہے حالاں کہ حکومت نے سخت قانون بنا کر اس طریقے پر پابندی لگادی ہے اور اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں پر بھاری جرمانے اور قید کی سزا عائد کی ہے۔قبل ولادت تشخیص تکنیک (ناجائز استعمال کا نظم وضبط اور روک) ایکٹ کے نام سے جانا گیا یہ قانون 1996 سے لاگو ہے اور اسے 2003 میں مزید سخت بنادیا گیا ہے۔ تاہم بچیوں کے خلاف تعصب جیسے مسائل کا طویل مدتی حل اس بات پر منحصر ہے کہ کس طرح سماجی رویوں کو تیار کیا جاتا ہے حالاں کہ قوانین وضوابط بھی اس میں مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔حال ہی میں حکومت نے ''بیٹی بچاؤ'' اسکیم شروع کی ہے۔ یہ بچوں کے صنفی تناسب میں اضافے کیلئے کارگر ثابت ہوگی۔

2.5 خواندگی

خواندگی تعلیم کی لازمی شرط کے طور پر با اختیار بننے کا ایک ذریعہ ہے۔ آبادی جتنی زیادہ خواندہ ہوگی ذریعۂ معاش کے متبادلات کے بارے میں شعور اتنا ہی زیادہ ہوگا اور لوگ علم پر مبنی معیشت میں اتنا ہی زیادہ حصہ لے سکیں گے،اس کے علاوہ خواندگی سے صحت کے تئیں بیداری بھی آتی ہے اور کمیونٹی کی معاشی وثقافتی فلاح و بہبود میں بھی پوری شرکت ہوتی ہے۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد خواندگی کی سطح میں کافی بہتری آئی ہے اور ہماری آبادی کا دو تہائی حصہ اب خواندہ ہے۔ پھر بھی شرح خواندگی کو ہندوستان کی آبادی میں اضافہ کی شرح کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے جدوجہد کرنی پڑ رہی ہے کیوں کہ ہماری آبادی کی شرح افزائش اب بھی کافی اونچی بنی ہوئی ہے۔ اس لیے نئی نسل کو خواندہ بنانے کے لیے لازمی طور پر زیادہ کوشش کیے جانے کی ضرورت ہے کیوں کہ ہماری نئی نسلیں تعداد کے لحاظ سے پہلے کے مقابلے میں بہت دھیمی رفتار سے کچھ کم ہوتی جارہی ہیں (یاد کریں کہ اسی باب میں پہلے عمر ساخت اور آبادی پر اڈوں کے بارے میں بحث کی جاچکی ہے)۔

مختلف صنفوں، علاقوں اور سماجی گروپوں میں شرح خواندگی میں کافی تنوع پایا جاتا ہے جیسا کہ جدول 4 میں دیکھا گیا ہے کہ عورتوں میں شرح خواندگی مردوں کی شرح خواندگی سے تقریباً 16.3 فی صد کم ہے۔ حالاں کہ عورتوں میں شرح خواندگی مردوں کے مقابلے زیادہ تیزی سے بڑھ رہی ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں میں شرحِ خواندگی نسبتاً نچلی سطحوں سے بڑھنی شروع ہوئی ہے۔ اس طرح عورتوں کی شرحِ خواندگی میں 2001 سے 2010 تک کی مدت میں تقریباً 16.3 فی صد کی شرح سے اضافہ ہوا جب کہ مردوں کی شرح خواندگی 10.4 فی صد بڑھی ہے۔ 2011 میں خواندگی میں تقریباً 18 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ مردوں کی خواندگی میں تقریباً 5 فیصد اضافہ ہوا ہے جبکہ عورتوں کی خواندگی میں تقریباً 10 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ عورتوں کی خواندگی میں ایک بار پھر مردوں کے مقابلے زیادہ تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ مختلف سماجی گروپوں میں ہی شرح خواندگی میں فرق پایا جاتا ہے۔ تاریخی لحاظ سے سہولیات سے محروم کمیونٹیوں جیسے درج فہرست ذات اور درج فہرست قبائل میں شرح خواندگی نیچے رہی ہے اور ان کمیونٹیوں میں عورتوں کی شرح خواندگی تو اور بھی نیچے ہے۔ اس معاملے میں مختلف علاقوں میں فرق بہت زیادہ ہے، ایک طرف جہاں کیرل جیسی کچھ ریاستیں ہمہ گیر خواندگی کو پہنچ رہی ہیں جب کہ بہار جیسی ریاستیں بہت پیچھے رہ گئی ہیں۔ شرحِ خواندگی میں پائے جانے والے فرق اس لیے بھی خاص طور پر اہم ہیں کیوں کہ اس کی وجہ سے نسلوں کے درمیان بھی فرق پیدا ہوتا ہے۔ ناخواندہ والدین یہ یقینی بنانے کے مواقع سے بہت زیادہ محروم ہوتے ہیں کہ اُن کے بچے بہت تعلیم یافتہ ہوں اس لیے یہ نابرابری بھی آگے جاری رہتی ہے۔

© NCERT not to be republished

جدول 4: ہندوستان میں شرح خواندگی

سال	افراد	مرد	عورتیں	شرح خواندگی مرد اور عورت کے درمیان فرق
	7 سال اور اس سے زیادہ عمر کی آبادی کا فی صد			
1951	18.3	27.2	8.9	18.3
1961	28.3	40.4	15.4	25.1
1971	34.5	46.0	22.0	24.0
1981	43.6	56.4	29.8	26.6
1991	52.2	64.1	39.3	24.8
2001	65.4	75.9	54.2	21.7
2011	73.0	80.9	64.6	16.3

ماخذ: ہندوستان کی مردم شماری 2011

2.6 دیہی شہری فرق

ہندوستان کی آبادی کی بڑی اکثریت ہمیشہ سے ہی دیہی علاقوں میں رہتی رہی ہے۔ یہی بات آج کے لیے بھی ہے۔ 2011 کی مردم شماری سے پتہ یہ چلتا ہے کہ ہماری آبادی کا 68.8 فی صد حصہ آج بھی گاؤں میں رہتا ہے اور 31.2 فی صد حصہ شہروں اور قصبوں میں۔ لیکن جیسا کہ جدول 5 میں دکھایا گیا ہے کہ شہری آبادی کا حصہ برابر بڑھتا جا رہا ہے جو 20 ویں صدی کے شروع میں تقریباً 11 فی صد تھا لیکن اب 21 ویں صدی کے شروع میں تقریباً 28 فی صد ہو گیا ہے۔ اس طرح اس میں تقریباً ڈھائی گنا اضافہ ہوا ہے۔ سوال صرف آبادی کا ہی نہیں ہے۔ جدید ترقی کی عمل کاری یہ بھی یقینی بناتی ہے کہ زراعت پر مبنی دیہی طرز زندگی کی معاشی اور سماجی اہمیت صنعت پر مبنی شہری طرز زندگی کی اہمیت کی نسبت زوال پر ہے۔ یہ حقیقت موٹے طور پر پوری دنیا کے لیے ہی صحیح نہیں ہے بلکہ ہندوستان کے لیے بھی یہ بات سچ ہے۔

ایک عرصے تک زراعت کا ملک کی کل معاشی پیداوار میں سب سے زیادہ حصہ ہوتا تھا لیکن آج کل گھریلو پیداوار میں اس کا حصہ صرف ایک سدس (چھٹواں) رہ گیا ہے۔ اگرچہ ہمارے عوام کی اکثریت دیہی علاقوں میں رہتی ہے اور اپنی گزر بسر زراعت سے ہی چلاتی ہے لیکن وہ جو پیداوار کرتی ہے اس کی نسبت معاشی قدر کافی گھٹ گئی ہے۔ مزید برآں زیادہ سے زیادہ لوگ جو گاؤں میں رہتے ہیں اب زراعت میں حتّٰی کہ گاؤں میں کام نہیں کرتے ہیں۔ دیہی لوگ کھیتی کا شتکاری سے الگ نقل وحمل خدمات، کاروباری مہم یا دستکاری جیسے مختلف دیہی کاروباروں کو زیادہ سے زیادہ اپناتے جا رہے ہیں۔ اگر ان کا گاؤں کسی شہر کے کافی پاس ہو تو وہ گاؤں میں رہتے ہوئے بھی کام کرنے کے لیے روزانہ اس قریبی شہر میں جاتے رہتے ہیں۔

ماس میڈیا (ذرائع ابلاغ) اور ترسیلی چینل اب دیہی علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے سامنے شہری طرز زندگی اور صرف کی شکلوں کی تصویریں پیش کر رہے ہیں۔ نتیجتاً دور دراز کے گاؤوں میں رہنے والے لوگ شہری نمونوں اور معیارات سے اچھی طرح واقف ہوتے جا رہے ہیں۔ ان میں بھی صرف کے لیے نئی خواہشات اور تمنائیں جنم لے رہی ہیں۔ عوامی منتقلی اور عوامی

© NCERT not to be republished

ترسیل اب شہری اور دیہی علاقوں کے درمیان خلا کو پر کرنے کا کام کر رہی ہیں۔ پہلے بھی، دیہی علاقے بازار کی قوتوں کی پہنچ سے کبھی باہر نہیں رہے اور آج تو حالت یہ ہے کہ وہ صارف بازار سے کہیں زیادہ گہرائی سے جڑ رہے ہیں۔ (بازاروں کے سماجی کردار پر باب 4 میں بحث کی جائے گی)۔

جدول 5: دیہی اور شہری آبادی

سال	آبادی (لاکھوں میں)		کل آبادی کا فی صد	
	دیہی	شہری	دیہی	شہری
1901	213	26	89.2	10.8
1911	226	26	89.7	10.3
1921	223	28	88.8	11.2
1931	246	33	88.0	12.0
1941	275	44	86.1	13.9
1951	299	62	82.7	17.3
1961	360	79	82.0	18.0
1971	439	109	80.1	19.9
1981	524	159	76.7	23.3
1991	629	218	74.3	25.7
2001	743	286	72.2	27.8
2011	833	377	68.8	31.2

ماخذ: http//ayush.gov.in

© NCERT not to be republished

شہری نقطۂ نگاہ سے غور کیا جائے تو شہر کاری میں ہو رہے تیز اضافے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قصبے یا شہر دیہی عوام کو مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ جن لوگوں کو دیہی علاقوں میں کام (یا کافی کام) نہیں ملتا وہ کام کی تلاش میں شہر چلے جاتے ہیں۔ گاؤں سے شہروں کی طرف نقل پذیری کی رفتار میں اس لیے بھی تیزی آئی ہے کہ گاؤں میں تالابوں، جنگلوں اور چراگاہی زمینوں جیسے مشترکہ جائداد کے وسائل میں مستقل زوال آتا جا رہا ہے۔ پہلے ساجھے وسائل سے غریب گاؤں میں گزربسر کر لیا کرتے تھے اگرچہ ان کے پاس زمین بہت کم یا بالکل نہیں ہوا کرتی تھی۔ اب یہ وسائل نجی جائداد کی شکل میں بدل گئے ہیں یا ختم ہو گئے ہیں (تالاب یا تو سوکھ گئے ہیں یا پھر ان سے کافی مقدار میں مچھلی نہیں ملتی۔ جنگل یا تو کاٹ ڈالے گئے ہیں یا غائب ہو گئے ہیں)۔ اب جب کہ لوگوں کے پاس یہ وسائل نہیں رہے لیکن دوسری طرف انھیں ایسی بہت سی چیزیں جو انھیں پہلے مفت میں ملتی تھیں (جیسے ایندھن، چارہ یا دیگر تکمیل غذائی اشیا) اب بازار سے خریدنی پڑتی ہیں تو ان کی مشکل بڑھ جاتی ہے۔ یہ مشکل صورتِ حال اس حقیقت سے اور بھی بدتر ہو جاتی ہے کہ نقد آمدنی کمانے کے مواقع گاؤں میں کم ہو گئے ہیں۔

سرگرمی 2.4

اپنے اسکول میں یہ پتہ لگانے کے لیے ایک چھوٹا سروے کریں کہ آپ کے ساتھی طلبا کے خاندان کب (یعنی کتنی پیڑھیوں پہلے) آپ کے علاقے میں جہاں آپ کا اسکول واقع ہے، میں رہنے کے لیے آئے تھے۔ نتائج کا جدول بنا کر ان کے بارے میں کلاس میں بحث کریں۔ آپ کے ذریعے کیا گیا سروے دیہی۔ شہری مہاجرت یا نقل پزیری کے بارے میں کیا بتاتا ہے؟

کبھی کبھی لوگ شہری زندگی کو کچھ سماجی وجوہات سے بھی پسند کرتے ہیں۔ جیسے کہ شہروں میں گمنامی کی زندگی بھی جی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ حقیقت کہ شہری زندگی میں اجنبیوں سے بھی رابطہ قائم ہوتا رہتا ہے جو مختلف وجوہات کی بنا پر فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے۔ درج فہرست ذات اور درج فہرست قبائل جیسے سماجی طور پر پس ماندہ گروپوں کو روز مرہ کی اس ذلت سے کچھ جزوی تحفظ حاصل ہوتا ہے جو انھیں گاؤں میں بھگتنی پڑتی ہے جہاں پر ہر کوئی ان کی ذات کی شناخت کو جانتا ہے۔ شہری زندگی کی گمنامی کے سبب سماجی لحاظ سے غالب دیہی گروپوں کے نسبتاً غریب لوگ شہر میں جا کر کوئی بھی کم تر سمجھے جانے والے کام کو انجام دینے سے نہیں ہچکچاتے جسے گاؤں میں رہتے ہوئے بدنامی کے ڈر سے وہ نہیں کر سکتے تھے۔ ان سبھی وجوہات کی بنا پر شہر گاؤں والوں کے لیے پرکشش منزل مقصود بن گئے ہیں۔ دن بہ دن بڑھتے جارہے شہر آبادی کے اس بہاؤ کے شاہد ہیں۔ مابعد آزادی کے دور میں شہر کاری کی تیز رفتار سے بھی اس حقیقت کی توثیق ہوتی ہے۔

جہاں شہر کاری کا عمل بہت تیز رفتار سے چل رہا ہے وہیں اس کے تحت بڑے شہروں۔ میٹروپولس (ام البلاد) کا پھیلاؤ بھی تیزی سے ہو رہا ہے۔ یہ بڑے شہر دیہی علاقوں اور ساتھ ہی ساتھ چھوٹے قصبوں کے باشندوں کو اپنی طرف راغب کرتے ہیں۔ اس وقت ہندوستان میں کل ملا کر 5,161 قصبے اور شہر ہیں جن میں 28.60 کروڑ لوگ رہتے ہیں۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ شہری آبادی کا دو تہائی سے بھی زیادہ حصہ ان 27 بڑے شہروں میں رہتا ہے جن کی آبادی دس لاکھ سے زیادہ ہے۔ ظاہر ہے ہندوستان میں نسبتاً بڑے شہروں کی آبادی اتنی تیزی سے بڑھ رہی ہے کہ شہر کی بنیادی سہولیات اتنی تیزی سے شاید ہی بڑھ سکیں۔ ان شہروں میں مواصلات کے ذرائع کا خیال خاص طور پر زیادہ مرتکز رہنے سے ہندوستان کا عوامی چہرہ دیہی کے بجائے زیادہ سے زیادہ شہری ہوتا جارہا ہے۔ تاہم ملک میں سیاسی قوت فراہم کرنے کے عمل میں دیہی علاقے آج بھی فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔

2.7 ہندوستان میں آبادی پالیسی

اس باب میں کی گئی بحث سے یہ ظاہر ہوگیا ہوگا کہ آبادی کی حرکت پذیری ایک اہم موضوع ہے اور یہ ملک کی ترقی کے امکانات اور وہاں کے لوگوں کی صحت اور بہبود پر فیصلہ کن طور پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ خاص طور پر ان ترقی پذیر ملکوں کے معاملے میں زیادہ صحیح ہے جنھیں اس سلسلے میں خصوصی چیلنج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ ہندوستان پچھلے پچاس سال سے بھی زیادہ مدت سے ایک سرکاری آبادی پالیسی کی پابندی کرتا رہا ہے۔ درحقیقت ہندوستان ہی غالباً ایسا پہلا ملک تھا جس نے 1952 میں اپنی آبادی پالیسی کا واضح اعلان کردیا تھا۔

ہماری آبادی پالیسی نے قومی خاندانی منصوبہ بندی پروگرام کے طور پر ایک ٹھوس شکل اختیار کی۔ اس پروگرام کے مقاصد موٹے طور پر مطلوبہ سمتوں میں آبادی کی افزائش کی شرح اور وضع کو متاثر کرنے کی کوشش کرنے جیسے رہے ہیں۔ شروعاتی دنوں میں اس پروگرام کا سب سے اہم مقصد: ضبط تولید کی مختلف تراکیب کے ذریعے آبادی کی افزائش کی شرح کو دھیما کرنا، عوامی صحت کے معیارات کو بہتر بنانا اور آبادی اور طبی امور کے بارے میں عوامی شعور کو بڑھانا تھا۔ پچھلے تقریباً پچاس سالوں میں آبادی کے

© NCERT not to be republished

باکس 2.4

ہندوستان کی آبادیاتی حصول یابی

قومی خاندانی فلاح و بہبود کے پروگرام کے اپنانے کے پچاس سال بعد ہندوستان میں

- خام شرح پیدائش 40.8 (1951) سے گھٹ کر 21 (2017) ہوئی۔
- اطفال شرحِ اموات کو 1000 زندہ پیدائش 146 (1951) سے گھٹ کر 39 (2017) ہوگئی۔
- شادی شدہ جوڑوں کی امتناع حمل کی شرح (Couple contraception rate) 10.4 فی صد (1971) سے چار گنا سے بھی زیادہ بڑھ کر 53 فی صد (2016) ہوا۔
- خام شرحِ اموات 25 (1951) سے گھٹ کر 6.7 (2017) کی سطح پر آئی۔
- امکانیت زندگی 37 سال سے بڑھ کر 64 سال ہوئی یعنی 27 سال مزید بڑھا۔
- خاندانی منصوبہ بندی کی ضرورت اور طریقوں کے بارے میں تقریباً ہمہ گیر بیداری پیدا ہوئی اور
- کل شرح بارآوری 6.0 (1951) گھٹ کر نصف سے کم یعنی 2.3 (2013) پر آئی

مآخذ: آبادی کا قومی کمیشن

باکس 2.5

سال 2010 کے لیے قومی سماجی آبادیاتی اہداف

- بنیادی تولیدی اور اطفال خدمات صحت، رسد اور بنیادی ساخت کی نامکمل ضرورتوں پر توجہ دی جائے۔
- 14 سال کی عمر تک اسکولی تعلیم مفت اور لازمی بنائی جائے اور پرائمری اور ثانوی اسکولوں کی سطح پر بیچ میں پڑھائی چھوڑنے والے لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے فی صد کو گھٹا کر 20 فی صد سے نیچے لایا جائے۔
- مرگ اطفال کی شرح کو 30 فی ہزار زندہ پیدائشوں پر سے نیچے کی سطح پر لایا جائے۔
- مادری شرحِ اموات کو 100 فی 1,00,000 زندہ پیدائشوں کی سطح کے نیچے لایا جائے۔
- ٹیکے کے ذریعے روکی جانے والی سبھی بیماریوں کے خلاف سبھی بچوں کو امراض سے آزادی فراہم کی جائے۔
- لڑکیوں کی شادی میں تاخیر یعنی 18 سال کی عمر سے پہلے نہیں ہو اور ہو سکے تو 20 سال کی عمر کے بعد شادی کرنے کی حوصلہ افزائی کی جائے۔
- ولادت کے 80 فی صد معاملے، زچہ خانوں جیسے اداروں میں انجام دلائے جائیں اور سبھی 100 فی صد معاملوں میں تربیت یافتہ عملہ کی مدد لیے جانے کا ہدف حاصل کیا جائے۔
- انتخاب اور متبادلات کی سہولت کے ساتھ ضبط تولید اور مانع حمل کے لیے معلومات مشاورت اور خدمات کے تئیں ہمہ گیر رسائی حاصل کرنا۔
- پیدائشوں، اموات، شادی اور حمل کا 100 فی صد رجسٹریشن حاصل کرنا۔
- اکوایرڈ ایمینو ڈیفی شینسی سنڈروم (Acquired Immunodeficience SyndromeAIDS) مرض کو پھیلنے سے روکا جائے اور اعضائے تولید کے انفکشن (Reproductive Tract Infections, RTI) اور جنسی عمل سے ہونے والے انفکشن (Sexually Transmitted infections, STI) کے انتظامیہ اور قومی ایڈس کنٹرول تنظیم کے درمیان زیادہ سے زیادہ ارتباط قائم کیا جائے۔
- متعدی یا چھوت سے لگنے والی بیماریوں کی روک تھام اور کنٹرول کیا جائے۔
- تولیدی خدمات اور طبی خدمات برائے اطفال کے اہتمام کے لیے اور خاندانوں تک مدد پہنچانے میں ادویہ کے ہندوستانی نظاموں کو مربوط کیا جائے۔
- کل بارآوری شرح (TFR) کی بھرپائی سطحوں کو حاصل کرنے میں چھوٹی فیملی کے معیار کی زیادہ حوصلہ افزائی کی جائے۔
- متعلقہ سماجی سیکٹر کے پروگراموں کے نفاذ میں ارتکاز پیدا کیا جائے تا کہ خاندانی فلاح و بہبود عوام مرکوز پروگرام بن سکے۔

ماخذ: قومی آبادی کمیشن

© NCERT not to be republished

مجھے اپنے سیکٹر میں آبادی کم رکھنے میں کوئی مشکل نہیں ہوتی میں لوگوں کو
ملک کے دوسرے حصوں میں منتقل ہونے کے لیے انھیں راضی کرتا ہوں

میدان میں ہندوستان کی کئی قابل ذکر حصول یابیاں ہیں جن کا خلاصہ باکس2.4میں پیش کیا گیا ہے۔

فیملی پلاننگ پروگرام کو قومی ایمرجنسی(76-1975) کی مدت میں زبردست دھکّا لگا۔ اس وقت عام پارلیمانی اور قانونی عمل التوا میں رہے اور خصوصی قوانین اور آرڈی ننس حکومت کے ذریعے سیدھے طور پر (پارلیمنٹ کے ذریعے پاس کیے بغیر) لاگو کردیے گئے۔ اس ایمرجنسی کے دوران حکومت کے ذریعے آبادی کی شرح افزائش کو بڑے پیمانے پر سختی سے روکنے کے لیے تولید کے ناقابل بنانے (Sterilisation) کا جبری پروگرام لاگو کیا گیا۔ یہاں تولید کے ناقابل بنانے سے مراد ایسے طبی طریقۂ کار سے ہے جس سے حمل اور بچے کی پیدائش کے عمل کو روکا جاسکتا ہے۔ مردوں کے معاملے استعمال میں لائی جانے والی آپریشن تکنیک نس بندی اور عورتوں کے لیے بیض نالی نکال دینے یا بند کرنے کے عمل (tubectomy) کے طور پر جانی جاتی ہے۔ زیادہ ترغریب اور بے سہارا لوگوں کی بڑی تعداد کی جبراً نس بندی کی گئی اور سرکاری ملازمین (جیسے اسکولی ٹیچروں اور دفتری بابوؤں) پر زبردست دباؤ ڈالا گیا کہ وہ لوگوں کو تولید کے ناقابل بنانے کے لیے لگائے گئے کیمپوں میں اس مقصد کے لیے لائیں۔ اس پروگرام کی عوام میں زبردست مخالفت ہوئی اور ایمرجنسی کے بعد اقتدار میں آئی حکومت نے اس پروگرام کو ترک کردیا۔

ایمرجنسی کے بعد قومی خاندانی منصوبہ بندی پروگرام کا نام بدل کر قومی خاندانی بہبود پروگرام کردیا گیا اور اپنائے جانے والے جابرانہ طریقوں کو ترک کردیا گیا۔ پروگرام اب وسیع بنیاد والے سماجی آبادیاتی مقاصد کے مجموعے پر مشتمل ہے۔ قومی آبادی پالیسی2000 کے جزو کے طور پر رہنما اصولوں کا ایک نیا مجموعہ وضع کیا گیا۔ 2017 میں حکومت ہند نے ان تمام اہداف کو قومی صحت پالیسی میں نئے اہداف کے ساتھ شامل کرلیا ہے۔ ان پالیسی اہداف کو پڑھیے اور ان کے متعدد پہلوؤں پر بحث ومباحثہ کیجیے۔

کیا تمھیں فخر نہیں ہے؟ ہمارے یہاں دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے
اور جلد ہی ہم اس سے بھی بڑی جمہوریت بن جائیں گے

ہندوستان کے قومی خاندانی بہبود پروگرام کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اگرچہ ریاست آبادیاتی تبدیلی کے لیے مناسب ماحول تیار کرنے کے لیے بہت کچھ کرسکتی ہے تاہم زیادہ تر آبادیاتی متغیرات (خاص طور سے انسانی بارآوری سے متعلق) میں آخرکار معاشی، سماجی اور ثقافتی معاملے ہی اہم کردار نبھاتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

سوالات

1۔ آبادیاتی منتقلی کے نظریے کی بنیادی دلیل کو واضح کیجیے۔ یہ عبوری دور آبادی دھماکے (بے تحاشہ اضافہ) کے ساتھ کیوں جڑا ہوا ہے؟

2۔ مالتھس کا یہ عقیدہ کیوں تھا کہ قحط سالی اور وبائی امراض جیسے تباہ کن حادثات جو بڑے پیمانے پر اموات کا سبب بنتے ہیں، ناگزیر ہیں؟

3۔ شرحِ پیدائش، اور، شرحِ اموات، سے کیا مراد ہے؟ واضح کیجیے کہ کیوں شرح پیدائش میں کمی نسبتاً دھیمی رفتار سے واقع ہوتی ہے جب کہ شرحِ اموات میں کمی بہت تیزی سے واقع ہوتی ہے۔

4۔ ہندوستان میں کون کون سی ریاستیں آبادی افزائش کی بھرپائی سطحوں کو حاصل کر چکی ہیں یا اس کے بہت قریب ہیں؟ کون سی ریاستوں میں اب آبادی کی شرحِ افزائش کافی اونچی ہے؟ آپ کے خیال میں ان علاقائی فرق کی کیا وجوہات ہوسکتی ہیں؟

5۔ آبادی کی عمری ساخت کا کیا مطلب ہے؟ معاشی ترقی اور خوش حالی کے لیے اس کی کیا موزونیت ہے؟

6۔ جنسی تناسب کا کیا مطلب ہے؟ گرتے ہوئے صنفی تناسب کے کیا مضمرات ہیں؟ کیا آپ محسوس کرتے ہیں کہ والدین اب بھی بیٹیوں کے بجائے بیٹوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں؟ آپ کے خیال میں اس پسند کی کیا وجوہات ہوسکتی ہیں؟

© NCERT not to be republished

حوالہ جات

Bose, Ashish. 2001. Population of India, 2001 Census Results and Methodology. B.R. Publishing Corporation. Delhi.

Davis, Kingsley. 1951. The Population of India and Pakistan. Russel and Russel. New York.

India, 2006. A Reference Annual. Publications Division, Government of India. New Delhi.

Kirk, Dudley. 1968. 'The Field of Demography', in Sills, David. ed. International Encyclopedia of the Social Sciences. The Free Press and Macmillan. New York.

Visaria, Pravin and Visaria, Leela. 2003. 'India's Population: Its Growth and Key Characteristics', in Das, V. ed. The Oxford India Companion to Sociology and Social Anthropology. Oxford University Press. Delhi.

ویب سائٹ

http://populationcommission.nic.in/facts1.htm

http://en.wikipedia.org/wiki/spanish_flu

http://www.who.int/mediacenter/factsheets/fs211/en/

http://wwwcensusindia.gov.in